حروف کی ادائیگی-احکام ومسائل

حرف ضاد ادا کرنے کا طریقہ:

سوال　یہاں پر ایک شخص قاری محمد تقی صاحب شاگرد قاری نجیب اللہ صاحب پانی پتی ہیں اور قاری صاحب نہایت مستند قاری ہیں، عرصہ دو سال کا ہوجاوے گا کہ میں بھی ان سے قرأت سیکھتا ہوں (اور حکیم مولوی محمد صدیق صاحب نابینا مرادآبادی نے بھی کچھ روز اُن سے قرأت سیکھی تھی) تو میرے پڑھنے کی وہ اکثر تعریف کیا کرتے ہیں اور حروف تو ادا ہوتے ہیں، مگر حرف ضاد کو فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حرف کبھی مخرج ظا سے ادا کرتے ہو اور کبھی مخرج ضاد سے بھی نکلتا ہے، مگر قرأت بالجہر میں عمداً ایسا نہیں کرتا ہوں؛ بلکہ بجبوری زبان خاص مخرج پر نہیں پہنچتی اور اگر کبھی نماز پڑھتا ہوں، تو مجھ کو بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض مرتبہ زبان خاص مخرج پر نہیں پہونچتی، کبھی وہاں جاکر لوٹ آتی ہے، پہلے اس کے کہ حرف پورا ادا ہو تو جو بھی نکل جائے، وہی رہنے دیتا ہوں، یہ نہیں کہ پھر اس لفظ کو دوبارہ لوٹاؤں۔

لہٰذا حضور تحریر فرماویں کہ جو ایک مرتبہ ادا ہو، وہی کافی ہے، یا اعادہ ان الفاظ کا کیا کروں؟ عالموں سے کہا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مخرج سے ہم ادا نہیں کرتے، مگر دال وضاد میں فرق کرتے ہیں، یہ مخرج علاحدہ بنا رکھا ہے۔ میرے نزدیک دال کے آگے واؤ لگا کر اس کو مفخم کر دیا، باوجودیکہ دال کی صفت تفخیم کی نہیں ہے اور حضور خاص مخرج ضاد سے کسی طرح یہ حرف مشابہ دال نہیں نکل سکتا۔

لہٰذا گذارش ہے کہ یہ لوگ معذور بھی نہیں ہیں اور قرأت کے مخارج حروف کی جانب ان کا خیال ہی نہیں تو ایسے شخصوں کے پیچھے نماز ہوجاوے گی، یا نہیں؟ یا ترک جماعت کی جاوے اور اعادۂ نماز ہر وقت کا نہایت مشکل ہے؛ کیوں کہ عام طور سے مشابہ بالدال ہی پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دال نہیں پڑھی؛ بلکہ ایک مخرج علیٰحدہ ادا کیا ہے، دیگر حروف کا فرق کرنا اس سے آسان ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پارۂ عم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حرف تو جدا ہے، مگر مشابہ بالدال سے مشابہ بالظاء پڑھنا اچھا ہے؛ کیونکہ ضاد وظا اکثر صفات میں یکساں ہیں اور قریب المخرج بھی ہیں اور دال بعید المخرج بھی ہے اور مفخم نہیں، لہٰذا حضور فتویٰ تحریر فرماویں؟

الجواب

د-ظ-ض کے حرف جداگانہ اور مخارج جداگانہ ہونے میں تو شک نہیں ہے،(۱) اس میں بھی شک نہیں ہے کہ قصداً کسی حرف کو دوسرے کے مخارج سے ادا کرنا سخت بے ادبی اور بسا اوقات باعث فساد نماز ہے،(۲) مگر جو لوگ معذور ہیں اوران سے یہ لفظ اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا اور وہ حتی الوسع کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کی نماز بھی درست ہے اور دال پر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے؛ بلکہ ضاد ہی ہے، اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا تو جو شخص دال خالص یا ظاء خالص عمداً پڑھے، اس کے پیچھے تو نماز نہ پڑھیں، مگر جو شخص دال پُر کی آواز میں پڑھتا ہے، آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۷۱-۲۷۲)

ض، ظ، د، کی ادائیگی کا طریقہ:

سوال: عرض ہے کہ آپ چونکہ تمام پاکستان میں معتمد مفتی ہیں اور عوام کیا تمام علماءِ پاکستان کا آپ پر اعتماد ہے، لہٰذا ہم اہلیان بہادر خیل فی الحال مسئلہ ضاد میں مختلف ہو گئے ہیں، قدیم زمانہ سے لوگ **"ولا الدوالین"** یا **"ولا الدالین"** پڑھتے ہیں، اسی طرح ہمارے تمام آباء واجداد سے یہ قرأت **"ولا الدوالین"** چلا آرہا ہے، اب ایک مولوی صاحب **"ولا الظالین"** پڑھتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ **"ولا الدوالین"** سے **"ولا الظالین"** بہتر ہے، جبکہ ضاد کو اصلی مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اب آپ معتبر کتب فقہ وتفاسیر سے مضبوط فتویٰ مفصل اس بارے میں ارسال کیجئے، آیا **"ولا الدوالین"** اچھا ہے یا **"ولا الظالین"**؟ شرح فقہ میں جو ملا علی قاری صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے کہ **"سئل الإمام الفضلی، الخ"** کی توجیہ بھی فرمادیجئے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) من أقصیٰ حافة اللسان ومایلیه من الأضراس مخرج الضاد ... من طرف اللسان وأطراف الثنایا مخرج الظاء والذال والثاء. (الکنز فی القراءات العشر، الباب الثالث فی مخارج الحروف وصفاتها: ۱۶۶/۱-۱۶۷، مکتبة الثقافة الدینیة القاهرة، انیس)

(۲) وهاک موازین الحروف وما حکی جهابذة النقاد فیها محصلاً

... والمعنی: خذ مخارج حروف الهجاء التی بها یتمیز کل حرف عن الآخر وخذ القول الذی نقله فیها الشیوخ الحذاق المتضلعون فی هذا العلم حال کون هذا القول محصلاً مجموعاً فی کتبهم ...

ولا ریبة فی عینهن ولا ربا وعند صلیل الزیف یصدق الابتلا

والمعنیٰ: لا شک فی أن کل حرف من هذه الحروف متعین بمخرجه وصفته تعیناً یمیزه عن غیره فلا یمکن فی هذه الحروف الزیادة فیها ولا النقص. (الوافی فی شرح الشاطبیة، باب مخارج الحروف وصفاتها: ۳۸۷/۱، مکتبة السوادی للتوزیع. انیس)

الجواب

(الف) قراءِ مجودین کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ضاد معجمہ کو اس کے مخرج معلوم (زبان کی آخری کروٹ اوراوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ) سے بمع جمیع صفات ذاتیہ مقررہ عند القراء (جہر، رخوت، استعلاء، اطباق، اصمات، استطالت) ادا کیا جائے گا، اس طرح کہ زبان کی نوک ثنایا علیا (سامنے والے اوپر کے دو دانتوں) کی نوک اور جڑ سے جدار ہے اور اس کی آواز بلند و جمہوری لطیف ونرم، مطبق بطیٔ ومصمت بتدریج شروع مخرج سے اخیر مخرج تک مستطیل وممتد ہوتو یہ صرف سمع وادا شیخ ماہر میں مشابہ بالظاء المعجمہ ہوگا، نہ کہ عین ظا یا عین دال یا عین واؤ، یا ان کے مشابہ اور یہ تشابہ محض صفتی اور کیفی ہوگا، بوجہ اشتراک دراکثر صفات لازمہ نہ کہ ذاتی مخرجی بھی؛ کیونکہ ان میں تخالف مخرجی موجود ہے، ان دونوں حروف کے تشابہ کے چند دلائل یہ ہیں۔

(۱) وحقيقة النطق بالضاد أن تخرجها من حافتي اللسان أوإحداهما ومايحاذيها من الأضراس العلياولفظى لها صفاتها فهذا حقها،ويشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة، آه.(۱)

(۲) فإن لفظت بالضاد المعجمة بمخرجها وصفاتها فيشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة،آه.(۲)

(۳) إن هذين الحرفين متشابهان فى السمع ولا تفترق الضاد عن الظاء إلا باختلاف المخرج والاستطالة فى الضاد ولولا هما لكانت إحداهما عين الأخرىٰ،آه.(۳)

(٤) إننا نجد أعراب الشام وما حولها ينطقون بالضاد فيحسها السامع ظاء لشدة قربها منها وفيه بحث طويل،آه.

حاصل یہ ہے کہ امام فضل کا یہ قول اجماعی واتفاقی نہیں؛ بلکہ زلۃ ولغزش اور خطا کی صورت میں تبدیل الضاد بالظاء کو موجب عدم جواز امامت (موجب عدم صحت صلاۃ) قرار دینا اکثر مشائخ متاخرین کے قول کے خلاف ہے؛ کیوں کہ فقہاء حنفیہ کی عام کتب فقہ معتبرہ کے باب زلۃ القاری میں مرقوم ہے۔

''والأصل أنه إن ذكرحرفاً مكان حرف وغيرالمعنىٰ فان أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ (الطالحات) مكان (الصالحات)فسدت صلاته عند الكل وإن لم يكن الفصل بينهما إلا بمشقة كالضاد مع الظاء والصاد مع السين والطاء مع التاء فالأكثرعلىٰ أنه لا

(۱) حقيقة التجويد للشيخ محمد صديق الخراسانى،ص: ۳٦، مطبوعہ علی گڑھ

(۲) أتحاف العباد للشيخ محمد نمرالنابلسى،ص: ۱۲،نمبر: ۲،طبع مصر

(۳) نهاية القول المفيد،الفصل الثالث فى بيان الفرق بين الحروف المشتركة فى المخرج والصفة: ۸۸،مكتبة الصفا.انيس

تفسد و کثیر من المشائخ أفتوا به.(هکذا فی الفتاویٰ البزازیة(۱) و الفتاویٰ الهندیة (۲) و فتاویٰ قاضی خان (۳) و فتح القدیر (۴) و خلاصة الفتاویٰ (۵) و شرح المنیة (۶)،رد المحتار للشامی (۷) و غیرها.(۸)

پس یا تو یہ کہا جائے کہ اس قول کے معنی یہ ہیں کہ غیر عارف وغیر مشاق وغیر ماہر جس کی زبان پر غلط ادا جاری ہو جاتی ہو، اس کی امامت صحیح ومرتل پڑھنے والے کی موجودگی میں درست نہیں، یا یہ کہیں کہ امام فضل نے بعض مشائخ کا قول غیر مفتی بہ لیا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ "**ولو تعمد یکفر**" اپنے حال پر اور درست ہے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں:

قلت: أما کون تعمده کفرًا فلا کلام فیه إذا لم یکن فیه لغتان ففی ضنین الخلاف،سامی،آه.(۹)والله تعالیٰ أعلم

هذا ما عندی و العلم عند الهادی و الله یقول الحق و هو یهدی السبیل. (فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۹۶-۸۹۸)

تحقیق حرف ضاد:

سوال: یہ جو حرف ضاد مشابہ ظا کے پڑھتے ہیں صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ضاد کو مشابہ دال کے پڑھنا چاہئے؛ کیونکہ دال بہ نسبت ظا کے ضاد کے ساتھ قریب تر ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امداد الفتاویٰ جلد اول، ص:۱۴۳، سطر:۳ میں فرمایا ہے کہ "اسی طرح ضاد ودال میں تقارب بلیغ ہے" اور سطر نمبر:۶ میں فرماتے ہیں: "بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظا کے"۔

الجواب

حضرت مرشدنا سلمہ نے جو فرمایا ہے، حق وصواب ہے؛ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ضاد کو دال کے مشابہ

(۱) الفتاویٰ البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلاة، الثانی فی عشر فی زلة القاری: ۴/۴۲، رشیدیة
(۲) کتاب الصلاة، فصل الخامس فی زلة القاری: ۱/۷۹، رشیدیة
(۳) کتاب الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۴۱، رشیدیة
(۴) کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۲۸۲، رشیدیة
(۵) کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری: ۱/۱۰۶، رشیدیة
(۶) شرح المنیة للحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، زلة القاری: ۱/۴۸۲، سعیدی
(۷) کتاب الصلاة، مسائل زلة القاری: ۱/۶۳۳، سعید، کراتشی
(۸) المحیط البرهانی، الفصل الثامن فی الوقف و الوصل و الابتداء: ۱/۳۲۹، دار الکتب العلمیة. انیس
(۹) الفقه الأکبر لملا علی القاری: مطلب فی إیراد الألفاظ المکفرة التی جمعها العلامة بدر الرشید، فصل من ذلک فی ما یتعلق بالقراءة و الصلاة: ۱/۴۵۷، طبع، دار البشائر الإسلامیة

پڑھنا چاہئے نہ ظا کے، دیکھو! اس صفحہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے؛ یعنی باعتبار قربیت مخرج کے نہ کہ صفات وصوت کے مشابہت مع تبدیل مخرج ہے، ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صوت لازم ہے۔ (منہ)

دیکھو! حضرت سلمہ نے صوت کا تشابہ تو ظا کے ساتھ ثابت فرمایا، باقی باعتبار قربت مخرج کے دال کو ضاد کے ساتھ زیادہ قریب لکھا بہ نسبت ظا کے؛ کیوں کہ جب سائل نے حضرت سلمہ کی خدمت میں یہ سوال کیا کہ ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو وہ شخص حرف مذکور کو بصوت ظا منقوطہ کہ دونوں حرف مفخم اور متشابہ الصوت ہیں، پڑھے، یا بصوت دال مہملہ جو کہ مرقق وغیر متشابہ الصوت ہے، پڑھے تو حضرت سلمہ نے سائل کو جواب میں فرمایا کہ ضاد کو ظا یا دال پڑھنا ایسا ہے، جیسے: با کو تا، ثا کو جیم، حا کو خا و ہذا باطل بالاجماع، پس اگر ضاد کی جگہ ظا کو پڑھنا بسبب اتحاد صفات اور تشابہ صوت کے جائز ہے تو ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی جائز ہو؛ کیوں کہ بہ نسبت ظا کے دال قریب ہے باعتبار مخرج کے؛ اس لئے حضرت سلمہ نے قربت مخرج ثابت فرمائی اور باعتبار ادا تعمد کے دونوں یعنی ظا اور دال کو ضاد کی جگہ جواز وعدم جواز میں متساوی الاقدام فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ حضرت سلمہ کی اس تحریر سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ضاد متشابہ الصوت بدال ہے؛ بلکہ حضرت سلمہ نے الزاما فرمایا کہ اگر عمدا ظا کو ضاد کی جگہ پڑھنا بسبب تشابہ صوت واتحاد صفت استعلا کے جائز ہو تو ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی بسبب اتحاد صفت جہر وقربتِ مخرج کے جائز ہونا چاہئے، حالانکہ دونوں ناجائز ہیں، باقی یہ الگ بات ہے کہ ضاد کو اگر اپنے مخرج اور صفات سے صحیح طور سے ادا کیا جاوے تو اس کا صوت دال سے مشابہ ہوگا یا ظا کے، اس کے متعلق حضرت سلمہ کی اور تحریریں اسی جلد میں موجود ہیں اور اسی تحریر کے حاشیہ پر بھی موجود ہے کہ ضاد کا صوت ظا سے متشابہ ہے نہ دال سے اور یہ شبہ کرنا کہ جب ضاد اور ظا میں تشابہ صوت پایا جاتا ہے اور ضاد کی ادا پر قدرت نہیں ہے تو پھر اس کی جگہ وہی حرف پڑھنا چاہئے کہ جو اس کی صوت جیسی سنائی دے، یا جو باعتبار مخرج کے قریب ہو، مثل دال کے، تو میں پوچھتا ہوں کہ ایسا تو ع اور ء اور ح اور ہ اور س اور ص اور ث اور ت اور طاء اور کاف اور قاف میں بھی تشابہ صوت پایا جاتا ہے، اگرچہ ہر متشابہ الصوت حرف میں ممیّز موجود ہے، پھر بھی اتنا امتیاز نہیں ہے کہ عوام فرق سمجھ سکیں تو چاہئے کہ بسبب عدم قدرت کے یہ ہر متشابہ الصوت حروف بھی ایک دوسرے کی جگہ پڑھے جاویں؛ یعنی عین کی جگہ ء اور ح کی جگہ ہ اور ث کی جگہ س وامثالہا یا بسبب قربت مخرج کے آپس میں ایک دوسرے کی جگہ پڑھے جاویں جیسے ء کی جگہ ہ اور ع کی جگہ خ اور ث کی جگہ ذ اور ت کی جگہ د ہرگز جائز نہیں۔

صاحبا! سچی بات یہ ہے کہ غیر ماہرین فن تجوید کو ذال ظا زا اور س، ص، ث اور ت ط کے تشابہ سے تو کیا؛ بلکہ عمداً ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دینے سے بھی اتنے قدر وحشت ونفرت نہیں ہوتی ہے کہ جس قدر ظا وضاد کے خفیف تشابہ سے ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ضاد چونکہ بمشکل ادا ہوتا ہے؛ اس لئے عرصۂ بعیدہ سے بہ سبب عدم توجہی علم تجوید کے

اگلے دانتوں کے مسوڑھوں سے دال کے مخرج کے پاس سے ادا کرتے ہیں؛اس لئے دال کی طرح صوت شدیدہ مسموع ہوتا ہے؛اس لئے اس سے مانوس ہوگئے ہیں اور اگر صحیح طور نکالا جاتا ہے تو وہ ظا کی صوت سے متشابہ ہوکر رخوہ ادا ہوتا ہے؛اس لئے اس سے متوحش ہوتے ہیں،اب ایک بات اور ضروری عرض کرتا ہوں،وہ یہ کہ قرب واتحاد مخارج کی وجہ سے تشابہ فی الصوت پیدا نہیں ہوتا،اگر ایسا ہوتا تو دال وتا میں اور ثاء وذال میں اور زاء وسین اور ءوہ میں ہوتا، باقی یہ بات مسلم ہے کہ قرب واتحاد مخارج کی وجہ سے وہ حروف آپس میں متقاربین ومتجانسین کہلاتے ہیں،اگرچہ صوت میں بین امتیاز ہوتا ہے،پس قرب واتحاد مخرج ہی کی وجہ سے وہ آپس میں ادغام ہوتے ہیں،نہ تشابہ صوت کی وجہ سے اور بعد مخرج کی وجہ سے وہ متقارب نہ رہیں گے،اگرچہ صوت میں متشابہ ہوں،پس جب متقارب نہ رہے تو ادغام بھی نہ کئے جاویں گے،اس سے معلوم ہوا کہ متجانسین ومتقاربین بھی ایک دوسرے کی جگہ جب کہ قاعدۂ ادغام پایا جاوے تو ہر دو کو متماثل بنا کر آپس میں ادغام کر دیئے جاویں گے تو یہ بھی گویا ایک دوسرے کی جگہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوا،باقی باوجود بعد مخرج کے اور نہ پائے جانے قواعدِ ادغام کے محض تشابہِ صوت کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کی جگہ کبھی نہ پڑھے جاویں گے،باقی یہ شبہ کرنا کہ جب تشابہ صوت موجب اتحاد وقربت نہیں ہے تو پھر یہ تشابہ صوتی کیونکر پیدا ہوتا ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ تشابہ صوتی کا اصلی سبب یہ ہے کہ خاص کسی مخرج سے خاص کسی صفت ایک یا چند کے ادا ہونے سے پیدا ہوتا ہے،پس بتیس دانتوں کا مخرج عام ہے،یعنی بتیس دانتوں میں جتنے مخرج ہیں، ان میں سے جو حروف صفت ہمس اور رخوۃ سے موصوف ہوکر ادا ہوں گے تو ان کا صوت متشابہ ہوگا،مثل س،ص،ث کے پس اس تشابہ کو یہ لازم نہیں ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں،یا یہ اعتراض کرنا کہ س،ص،ث،آپس میں متشابہ کیوں ہیں، ایسا ہی مخرجِ حلق کو دیکھئے کہ جتنے مخرج حلق ہیں،ان میں سے جو حروف صفتِ جہر وشدت سے موصوف ہوکر ادا ہوں گے تو وہ آپس میں متشابہ الصوت ہوں گے،جیسا کہ ہمزہ اور عین اگرچہ بینیہ ہے؛لیکن یہ بینیت شدۃ اور رخوۃ کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور عین میں حصہ شدہ نے بالحاق صفت جہر کے حلق میں یہ اثر پیدا کیا؛یعنی یہ سمجھو کہ جہر وشدۃ اگر ایک جگہ جمع ہوکر حلق سے ادا ہوں گی تو ایسی صورت پیدا ہوگی،حالانکہ ہمزہ کے قریب تو تھی؛لیکن چونکہ وہ صفت ہمس سے متصف ہے؛اس لئے متشابہ بہمزہ نہ ہوئی،اور جو حروف صفت ہمس اور رخوۃ سے متصف ہوکر حلق سے ادا ہوں گے تو وہ بھی آپس میں متشابہ صوت ہوں گے جیسا ہ اور ح اور اسی طرح جو حروف صفت رخوۃ اور جہر سے موصوف ہوکر حلق سے ادا ہوں گے تو وہ بھی آپس میں متشابہ ہوں گے،جیسا ع اور غ عین میں،جب کہ صفت رخوۃ کے حصہ کو کچھ زور دے کر ادا کیا جاوے گا تو عین مشابہ غین کے ہوجاوے گی اور ازاں سواءِ غین چونکہ مفخم بھی ہے؛اس لئے بین فرق ہے اور ایسا ہی ح اور خ میں تفخیم ممیّز ہے،پس عین اور حاء میں گلا نہ گھونٹنا چاہئے،ورنہ ع اور غ اور ح اور خ متشابہ الصوت

ہوجاویں گے، یہاں فقط یہ بتلانا منظور تھا کہ حلق میں سے جب صفت رخوۃ اور جہر مل کرادا ہوں گی تو تشابہ پیدا ہوگا، اگر چہ ادانیٰ ہی سہی، اسی طرح مخرج لعات میں سے جو حروف صفت شدت سے موصوف ہوکرادا ہوں گے تو وہ بھی متشابہ الصوت ہوں گے، جیسا ک اور ق اگر ک کو رخوۃ پڑھا جاوے گا، جیسا کہ بعض کی رائے ہے تو پھر یہ تشابہ نہ رہے گا، ک نبطی اسی کو کہتے ہیں جو کہ کہٗ سے متشابہ ہوتا ہے، اسی طرح پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ک کو شدیدہ اور پست کر کے مہموسہ پڑھنا چاہئے؛ تاکہ مجہور نہ ہوجاوے، جیسا کہ اکثریت پڑھتی ہے، اب دانتوں کے مخرج میں سے اگر صفت جہر واستعلا اور اطباق کے ساتھ جب صفت شدہ ملحق ہوکرادا ہونے سے جو صوت پیدا ہوگی اس کے ساتھ وہ صوت بھی متشابہ ہوگی، جو کہ صفت ہمس اور شدۃ کے الحاق سے پیدا ہوگی، جیسا کہ طاء اور تاء اور جو حرف صفت جہر اور شدۃ سے بغیر استعلاء واطباق کے یا بغیر ہمس وشدت کے ادا ہوگا تو وہ طاء وتاء سے متشابہ نہ ہوگا، جیسا کہ دال، اب دیکھنا چاہئے کہ طاء سے دال صفت جہر اور شدت اور اصمات اور قلقلہ میں متفق ہے اور طاء سے تاء فقط شدت اور اصمات اور ان دونوں صفتوں میں متفق ہے اور تاء دال سے صفت شدت اور استفال اور انفتاح اور اصمات میں متفق ہے، چاہئے تھا کہ تاء دال سے متشابہ ہوتی؛ لیکن چونکہ اوپر بتایا گیا ہے کہ خاص دانتوں میں سے جس حرف میں صفت جہر وشدۃ واستعلاء واطباق کے اجتماع سے جو صوت پیدا ہوگی اس کے ساتھ اس حرف کی صوت بھی متشابہ ہوگی، جو کہ صفت ہمس اور شدت سے متصف ہوکر دانتوں سے ادا ہوگی، اب دیکھو کہ اگر صوت کو قربت میں دخل ہوتا تو طاء اور تاء قریب تر ہوتیں، بہ نسبت تاء اور دال کے اگر چہ یہ تینوں آپس میں متجانس ہیں؛ لیکن قربت صفاتی کی وجہ سے دال تاء میں ادغا ہوتی ہے، نہ طاء میں، اس سے معلوم ہوا کہ دال اور تاء آپس میں زیادہ تر متقارب ہیں، بہ نسبت تاء اور طاء کے، پھر بھی سابق کلیہ کی وجہ سے طاء اور تاء میں تشابہ صوت پایا گیا اور باوجود قرابت صفاتی کے دال اور تاء میں بہ سبب نہ پائے جانے کلیہ سابقہ کے تشابہ نہ رہا، دوسرے یہ کہ اگر مخرج دانتوں میں سے جو حروف صفت ہمس اور رخوہ سے موصوف ہوکرادا ہوں گے، وہ سب آپس میں متشابہ الصوت ہوں گے، مثلاً: ث، س، ص کے، جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں، حالانکہ ث اور ذ متجانس ہیں، پھر بھی بہ سبب نہ پائے جانے کلیہ مذکورہ کے ان میں تشابہ صوتی نہ رہا۔

ایسے ہی اگر صفت جہر سے اور رخوۃ سے جو حروف موصوف ہوکر دانتوں سے ادا ہوں گے، وہ سب آپس میں متشابہ الصوت ہوں گے، جیسے زاء، ذال، ظاء، ضاد، حالانکہ زاء بہ بنسبت ذال کے سین سے قریب تر ہے؛ لیکن چونکہ سین میں جہر نہیں ہے؛ اس لئے تشابہ نہ رہا، اسی طرح ضاد باعتبار مخرج کے دال کے ساتھ قریب ہے، بہ نسبت ظاء کے اسی وجہ سے بعض قراء نے ہر دو کو متقاربین قرار دے کر ''قد ضلوا'' میں ادغام کیا ہے، پھر بھی بسبب سابق کلیہ کے ضاد اور ظا اور ذال اور زا میں تشابہ ہے، نہ ضاد اور دال میں پس اگر محض تشابہ سے وحشت ہوتی ہے تو پھر طاء اور تاء سے بھی متوحش ہوں

اور اگر ضاد اور دال کے تشابہ کو پسند کرتے ہو، بسبب قربت کے تو پھر تاء اور دال کو بھی متشابہ پڑھو، بسبب قربت بلیغ کے، میرے اس سارے معروض کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خاص مخارج میں اثر رکھا گیا ہے، کہ اگر فلاں صفت مفردہ یا بالحاق فلاں صفت کے خاص فلاں مخرج سے ادا ہوگی تو اس قسم کی صوت پیدا ہوگی، یہی وجہ ہے تشابہ صوتی کی، پس جب دانتوں سے صفت رخوۃ و جہر سے جو حروف ادا ہوں گے تو وہ آپس میں متشابہ ہوں گے، اگرچہ سب میں تمیز بیّن موجود ہوتی ہے، گویا یہ سمجھو کہ ہر حرف پست کلام ہوگا بسبب صفت ہمس کے یا بلند کلام ہوگا بسبب صفت جہر کے، پھر اس کی پست کلامی اور بلند کلامی جاری ہوگی بسبب صفت رخوۃ کے، یا بند ہوگی بسبب صفت شدت کے، پس خاص دانتوں کے مخرج میں یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ اگر اس سے جو حرف پست کلام بسبب ہمس کے اور اس کی ہمس جاری ہوکر نکلے گی بسبب رخوۃ کے تو ان کی صوت سا، سا، سا، کی طرح مسموع ہوگی، یہی وجہ ہے ث، س، ص کے ساتھ مشابہ الصوت ہونے کی اور اگر دانتوں کے مخرج سے جو حروف بلند کلام بسبب صفت جہر کے اور اس کی جہر جاری ہوکر نکلے گی بسبب رخوۃ کے تو اس کی صورت زا، زا، زا کی طرح سنائی دے گی، یہی وجہ ہے کہ جو حروف صفت جہر اور رخوۃ سے موصوف ہوکر دانتوں کے مخرج سے ادا ہوتے ہیں تو وہ آپس میں متشابہ الصوت ہوتے ہیں، جیسے زاء، ذال، ظاء، ضاد، پس جس طرح اور حروف متشابہ الصوت کا امتیاز مانتے ہو، جیسے: س، ص، ث کا ایسا ہی ضاد، اور ظاء، ذال اور زاء کا تصوّر فرمایئے۔ واللہ اعلم

کتبہ شیر محمد

حضرت مرشدی سلمہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے بھیجا گیا تو یہ الفاظ ارقام فرمائے:

''خوب تحقیق اور نہایت مفید ہے''۔ (اشرف علی)

اور استادی قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تو یہ ارقام فرمایا:

''مضمون متعلق تشابہ ضاد وظاء دیکھ کر محظوظ ہوا، ماشاء اللہ خوب لکھا ہے''۔ (محمد یامین) (امداد الاحکام: ۱۸۶/۲-۱۹۱)

تحقیق ضاد وظاء:

(۱) سوال: قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پر لوگوں نے مختلف ڈھنگ اختیار کئے ہیں، بہت لوگ دواد پڑھتے ہیں، صاف دال پڑھتے ہیں، بہت لوگ ظاء یا زاء پڑھتے ہیں، بہت لوگ عجب خلط کرتے ہیں، کہیں تو دواد پڑھتے ہیں اور

(۱) ضاد کے متعلق (یہاں) دس فتوے ہیں۔۔۔جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

ضاد کا مخرج: ض کا مخرج اور اس کی آواز ظاء اور دال کے مخرج اور ان کی آوازوں سے ممتاز ہے، مگر اس کی آواز اقرب الی الظاء ہے، یعنی دونوں کی آوازوں میں تشابہ تام تو نہیں ہے، بلکہ من وجہ دون وجہ ہے، لیکن غالب مشابہت ظاء کی آواز کی ہے۔ (اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ہے، انیس)

==

کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں اوران خلط کرنے والوں کی تعداد دنیا میں بہت معلوم ہوتی ہے، یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو حنفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں، باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دواد یا دال یا ظاء یا زاء یا ذال پڑھنا سب ہی غلط ہیں، مگر جو شخص جس طرح پڑھتا ہے، اسی کو موافق قواعد تجوید جانتا ہے اور دوسرے طریقہ سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اوراس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے، عوام کی تو کچھ شکایت نہیں، ان بے چاروں کا تو شین، قاف تک درست نہیں ہوتا، یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضراتِ علما میں دیکھتا ہوں، اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں کہیں مجہول، وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے، اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے، ترقیق وتفخیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں، حروف قلقلہ واستعلا وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں، اس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتارہا ہے اور سارا جھگڑا ہیر پھیر کر صرف ضاد ہی پر آرہا ہے، جس طرح ضاد کو ضاد پڑھنا قواعد تجوید کے موافق ہے، اسی طرح اور باتیں بھی ہیں، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں کیا جاتا؟ بعض حضرات علما یہ فرمادیتے ہیں کہ حروف کو ان کے مخرج سے ادا کرنا چاہئے وبس، یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی؛ کیوں کہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا مامور بہ ہے، اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مامور بہ ہیں، پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہوجائے گی، شاید دونوں کے مامور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو، جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دواد پڑھنے پر اجماع منعقد ہوگیا ہے، یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی؛ کیوں کہ بعض ماہرین فن کو سنا ہے، وہ تو دواد نہیں پڑھتے، بعض حضرات ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾ (۱) کی رو سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے، تو بڑی مشکل ہے، لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی؛ کیوں کہ یہ فن سخت مشکل ہے، حضرات علما میں کہیں دو چار مجود نکلیں گے، مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں، یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے، بعض زور میں آکے یہ

== لہذا ضاد کو صحیح مخرج اور صحیح آواز سے ادا کرنا اوراس کی مشق کرنا ضروری ہے، اور عوام جو ضاد کو دال کے مخرج سے پڑھتے ہیں یا غیر مقلدین جو ظاء کے مخرج سے پڑھتے ہیں، وہ محض غلط ہے۔

عاجز کا حکم: جو شخص باوجود کوشش کے بھی ضاد کو صحیح ادا نہ کرسکتا ہو، وہ عاجز ہے، وہ ضاد کو دال مفخم یعنی دُواد پڑھے، ظاء نہ پڑھے۔ (اس کی تفصیل بھی آئندہ صفحات میں ہے، انیس)

نماز کا حکم: غیر مشاق کی نماز تو ہر طرح ہوجاتی ہے، اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا، تو اس کی نماز بھی ہوجاتی ہے، البتہ اگر مشاق ہو کر اسی قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں، یا دال پڑھتا ہوں، تو اس کی نماز بلاشبہ فاسد ہوگی۔۔۔ سعید احمد پالنپوری (یہ بحث بھی آئندہ صفحات میں ہے، انیس)

(۱) سورة المزمل: ٤.

کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے؛ لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں، اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا، امید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے، غور سے ملاحظہ فرما کر کافی وشافی جواب مرحمت ہو؟ تا کہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد وعمل رکھا جائے۔

الجواب

فی فتاوی قاضی خان: وإن ذكر حرفًا مكان حرف وغير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلا ته عند الكل، وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين و الطاء مع التاء اختلف المشايخ فيه، قال أكثرهم: لاتفسد صلا ته، آه.

وفيها أيضًا: ولوقرأ والعاديات ظبحًا بالظاء تفسد صلاته، آه.

وفيها: وكذا لوقرأ غير المغظوب بالظاء أوبالذال تفسد صلاته، ولوقرأ الظالين بالظاء أو بالذال لاتفسد صلاته، ولوقرأ الدالين بالدال تفسد صلاته آه. ولوقرأ وَنَخُلُ طَلْعِهَا هَضِيُمٌ قرأ بالظاء وبالذال تفسد صلاته، اه.

وفيها أيضًا: " وَلَسَوُفَ يُعُطِيُکَ رَبُّکَ فَتَرُضٰی" قرأ فترظٰی بالظاء تفسد صلاته، اه.

وفيها: "كَيُدَهُمُ فِيُ تَضُلِيُلٍ" قرأ بالذال فی تذليل لاتفسد صلاته ولوقرأ بالظاء تفسد صلاته.

وفيها: "وَمَنُ يُّضُلِلِ اللّٰهُ" قرأ بالظاء لاتفسد صلاته، اه.

وفيها: "الَّذِیُ فَرَضَ عَلَيُکَ الُقُرآنَ" قرأ بالظاء تفسد صلاته، اه.

وفيها: "أَئِـذَا ضَلَلُنَا" قرأ بالظاء ظللنا لاتفسد صلاته وهوقراءة " فَمَنُ فَرَضَ فِيُهِنَّ الُحَجَّ" قرأ بالظاء فرض أوبالذال تفسد صلاته، اه. (۱)

ان روایات میں تدبر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ فساد صلوٰۃ اس وقت ہے، جب بلا مشقت دو حرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال سے پڑھنا مفسد صلوٰۃ اسی بنا پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں، وہ دال نہیں ہے جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے، البتہ اگر کوئی شخص خالص دال پڑھے گا تو اس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہے، گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے، مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ طریق

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، باب مايفسد الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأً وفی الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱٤۱-۱٤۹، انيس

متعارف اس کے مشابہ ہے، اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے، حتی کہ جس شخص کو ضاد کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، وہ ادا کرنے کے وقت کبھی کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹھتا ہے اور دونوں میں اس کو تمیز دشوار ہوتی ہے؛ اس لئے اس طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوٰۃ کہنا بعید ہے۔

دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عندالاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو، ورنہ وہ بھی مفسد صلوٰۃ ہے، ورنہ **وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا** اور **مغضوب عليهم** اور **هضيم** اور **فترضى** اور **فرض** میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا، چنانچہ مدار عدم فساد کا **عدم إمكان الفصل إلا بمشقة** کو ٹھیرانا اس کی دلیل ہے؛ کیوں کہ عمداً وہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا، پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے، مگر ظاء نکل گیا، اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوٰۃ کی رد کرتی ہیں۔ فافہم

تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ **و لا الضالين** میں ظاء کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے، اس کی بنا یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عمداً ظاء کا پڑھنا جائز ہے، ورنہ **مغضوب عليهم** اور **ضالين** میں کیا فرق تھا کہ **مغضوب عليهم** میں تو ظاء کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد؛ بلکہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا، جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ **ظل بالظاء** کے معنی لیل اور **جنح الليل** اور **سواد السحاب** کے بھی ہیں،(۱) پس ظالین کے معنی مثلاً **داخل في الظلمات** ہوں گے، جو حاصل ہے **ضلال** بالضاد کا، یا یہ افعال ناقصہ **ظل يظل** سے ہوگا، بمعنی الکائنین اور خبر مقدر ہوگی **في ضلال**، یا **في غضب لقرينة مغضوب عليهم** کے، جیسا **أَئِذَا ظَلَلْنَا** بالظاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہوگی، جیسا آگے مذکور ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی خاں نے **وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا** وغیرہ میں تو ظاء کو مفسد کہا اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے، جیسے! ﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور ﴿أَئِذَا ضَلَلْنَا﴾ اس میں غیر مفسد کہا، ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ کے ساتھ خاص کیا گیا، چنانچہ **أَئِذَا ظَلَلْنَا** میں خود **ظَلَلْنَا** بالظاء کا ایک قرأت ہونا بھی نقل کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قرأت کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں **تأويل صحة معنى** کی گئی ہے، اس وجہ سے مفسد نہیں کہا اور ہر چند کہ **تضليل** میں جو اسی مادہ سے ہے، بعض کا قول **لا تصح** نقل کیا ہے، مگر اس

(۱) الظل بالكسر نقيض الضح أو هو الفيء أو هو الغداة والفيء بالعشى ... ومنه "ولا الظل ولا الحرور" والخيال من الجن وغيره يُرى وفرس مسلمة بن عبدالملك والعز والمنعة والزبير والليل أو جنحه ومن كل شيء شخصه أو كنه ومن الشباب أوله ومن القيظ شدته ومن السحاب ما وارى الشمس منه أو سوداه ومن النهار لونه إذا غلبته الشمس وهو في ظله: في كنفه. (القاموس المحيط، فصل الظاء: ۱۰۲۸، مؤسسة الرسالة بيروت. انيس)

قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے، پس بناء مذکور پر ارجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا، فتدبر و تشکر. (۱)

اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے، اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے، باقی مستحسن۔

فی فتاویٰ قاضی خان: وإن تغیر المعنی تغیرًا فاحشًا نحو أن یقرأ لا إلٰه ویقف ثم یبتدأ بقوله إلا هو (إلٰی قوله) قال عامة العلماء: لاتفسد صلاته؛ لما قلنا، وقال بعضهم: تفسد، آه. (۲)

قلت: الاختلاف فی الفساد یوجب الوجوب.

اس پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں، مگر نماز ان کی بھی اکثر علما کے قول پر ہو جاتی ہے، البتہ ایسوں کو امامت سے احتراز واجب ہے۔

فی فتاویٰ قاضی خان: فإن کان لاینطق لسانه فی بعض الحروف (إلٰی قوله) لایؤم غیره کذا الرجل إذا کان لایقف فی مواضع الوقف، اه. (۳) واللّٰه أعلم

۱۸؍ربیع الاول ۱۳۲۱ھ۔ (امداد: ۱؍۱۰۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱؍۲۶۲-۲۶۷) ☆

(۱) اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضاد کو دواد اور ظاء دونوں طرح پڑھنا غلط ہے، لیکن ظاء پڑھنے میں علاوہ مفسدۂ غلطی کے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں تشبہ بفرق ضالہ مثل روافض وغیر مقلدین اور ان کے ہوا کا اتباع ہے، برخلاف دواد کے، کہ اس میں صرف مفسدۂ غلطی ہے، اس لئے عاجز کے لئے بحکم "إذا ابتلیت ببلیتین فاختر أهونهما" دواد پڑھنے کی اجازت دیدی جائیگی، اور ظاء پڑھنے سے روکا جائے گا، اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہوگیا کہ لوگ ضاد کو ظاء پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں اور ایسا کرنے پر کیوں شور وشغب کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط، ص: ۱۸)

(۲-۳) فتاویٰ قاضی خان علٰی هامش الهندیة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقراءة: ۱؍۱۵۵، انیس

☆ سوال: ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے اور اکثر فقہا کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

الجواب

فی الجزریة: والضاد من حافته إذ ولیا — لأضراس من أیسر أو یمناها. (المقدمة لابن الجزری، باب مخارج الحروف: ۲، انیس) (شعر کا حاصل یہ ہے: ضاد حافۂ لسان (زبان کی کروٹ) اور اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ سے نکلتا ہے اور اس میں تعمیم ہے کہ بائیں طرف سے نکالو یا داہنی طرف سے۔ سعید احمد)

جب مخرج معلوم ہوگیا، تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اب اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے، اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں، جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہا کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے، ظاء پڑھنا شروع کر دیا، حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا، رہا قاضی خاں کی اس جزئی سے کہ **لو قرأ ولا الظالین لاتفسد صلاته**، ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا، اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہیں۔ **وهی هذه:** ==

سوال: بخدمت مخدومی مکرمی جناب مولانا دام مجدہم

بعد سلام مسنون التماس ہے: کمترین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے۔

یہاں ضاد اور ظاء کا بہت جھگڑا ہے، ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا ظاء اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق ظاء پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں، ظاء والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدۂ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور ظاء کو کوئی جانتا بھی نہیں، پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور ناواقف پڑھتے ہوں؛ بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں، چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ کو اسی طرح پڑھتے سنا، استاد قاری عبداللہ صاحب جو اس فن سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا، وہ ضاد ہی پڑھتے ہیں، کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا، یہاں آ کر یہ جھگڑا دیکھا، تو بعض قرأت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قرأت سے معلوم ہوا کہ ضاد کی صورت ظاء اور زاء وغیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن دو حرفوں میں تمیز مشکل ہو، جیسا کہ ضاد اور ظاء ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھے تو نماز درست ہوتی ہے؛ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضاد صورت میں ظاء کی مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ ظاد ہے، پھر انہیں کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت جگہ ض کی جگہ ظ یا ظ کی جگہ ض پڑھے گا تو نماز درست نہ ہوگی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مغائر ہیں، یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوٰۃ اس جگہ ہے، جہاں پر معنوں میں تغیر فاحش ہوتا ہو اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے، پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں بہت سی صفتیں مشترک ہیں، حرف ض میں استطالت ہے اور ظ میں نہیں، باقی مطبقہ اور مصمتہ اور مستعلیہ رخوہ، مجہورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں، بخلاف دال کے جس کے مشابہ ض پڑھا جاتا ہے کہ ض اور دال میں اکثر صفتیں مخالف ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ قریب المخرج اور متحد الصوت ہیں، اگرچہ قریب المخرج ہونے

== "ولو قرأ وَالْعَادِيَاتِ ظَبْحًا بالظاء تفسد صلاته" اہ.

"وكذا لو قرأ غير المغظوب بالظاء أو بالذال تفسد صلاته". (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندية، فصل فيما يفسد الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأً وفی الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۴۲-۱۴۳، انیس)

وأمثال ذلک من الفروع المتعددة. والله أعلم

۱۰/ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۱۳۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۶۷-۲۶۸)

سے اتحادصوت لازم نہیں آتا،مگر ائمہ قرأت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے،مثلاً رعایہ میں جو امام ابومحمد مکیؒ کی تصنیف ہے، مذکور ہے:

''والضاد يشبه لفظها بلفظ الظاء لأنها من حروف الإطباق.(۱)

پھر ضاد کا جومخرج لکھا ہے کہ حافۂ لسان اضراس کولگا کر نکالا جاوے،اس سے بھی ظاء نکلتا ہے،ض اگر نکالا جاتا ہے، تو اطراف لسان ثنایا علیا کولگ جاتی ہے، جولام کا مخرج ہے،ٹھیک طور پر مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ظاء نکلتا ہے، پھر ض کی صفات میں سے ایک رخوت بھی ہے،حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہے تو رخوت یعنی جریان صوت اس میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ اور حروف رخوہ مثلاً س،ز،ظ وغیرہ میں؛ بلکہ ض کے ادا کرنے میں صوت بند ہوجاتی ہے اور بطور شدیدہ کے ادا ہوتا ہے،بخلاف اس کے جس وقت ظا دا دا کیا جاتا ہے؛یعنی ہمزۂ مفتوح اس کے اول میں لگا کر جو مخرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے،صوت نکالی جاتی ہے تو اس میں رخوت؛یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے،اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضاد صوت میں مشابہ ظاء کے ہے۔

پھر رعایہ میں لکھا ہے:

''ومتٰى لم تتحفظ بترقيق الذال في اللفظ،دخلها تفخيم يؤديها إلٰى الإطباق فتصير عند ذلك ظاءً أوضادًا لأنها أخت الظاء في المخرج وقريبة من الضاد''.(۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ اور ظاء صورت میں مشابہ ہیں۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

'' إلا أنه حصل في الضاد انبساط لأجل رخاوتها وبهذه السبب يقرب مخرجه من مخرج الظاء''.(۳)

شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

''بدانکہ فرق میان مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است''۔(۴)

شرح قصیدۂ نونیہ میں ہے:

''لأن الظاء تشارك الضاد في الأوصاف المذكورة غير الاستطالة فلذلك اشتد شبهة به وعسر التمييز واحتاج القاري في ذلك إلى الرياضة لاتصال بين مخرجيهما''.(۵)

---

(۱) الرعاية لتجويد القراءة،باب الضاد: ۱۸٤،دارعمار وكذا في نهاية القول المفيدالفصل الثالث في بيان الفرق بين الحروف المشتركة في المخرج والصفة:۸۸،مكتبة الصفا.انيس

(۲) الرعاية،باب الذال:۲۲٤،دارعمار.انيس

(۳) تفسير الفخر الرازي المشتهر بالتفسير الكبير،حكم القراءة بالشواذ،المسئلة العاشرة: ۱/۷۰،انيس

(۴) والضاد أعظم كلفة وأشق على القارىء من الظاء.(الرعاية،باب الظاء: ۲۲۰،دارعمار.انيس)

(۵) القصيدة النونية

پھر تمہید میں لکھا ہے:

" فلو لا الاستطالة و اختلاف المخرجين لكانت ظاءً". (۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں:

" فمثال الذى يجعل الضاد ظاءً فى هذا و شبهه كالذى يبدل الصاد سينًا". (۲)

ایسے ہی امام محمد مرعشی کے رسالہ جہد المقل وغیرہ میں لکھا ہے کہ!

''اگر ضاد کو صحیح طور پر ادا کیا جاوے گا تو اس کی آواز ظاء کے مشابہ ہوگی''۔ (۳)

پھر جہد المقل اور رعایہ میں صاف تصریح ہے کہ!

"الضاد و الظاء و الذال و الزاء المعجمات الكل متشاركة فى الجهر و الرخاوة متشابهة فى السمع". (۴)

شعلہ شرح شاطبی میں لکھا ہے:

"إن هذه الثلاث أى الضاد و الظاء و الذال متشابهة فى السمع و الضاد لاتفترق عن الظاء إلا باختلاف المخرج و زيادة الاستطالة فى الضاد و لو لاهما لكانت إحداهما عين الأخرىٰ". (۵)

ان سب سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض کی آواز ظ کے مشابہ ہے، جس طرح پر ہم پڑھتے ہیں جس کو دال مطبقہ کہنا چاہئے، اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے، طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے، ورنہ بہت صاف طور پر سب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ ض کی صوت ظ کے مشابہ ہے۔

شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

''بدانکہ فرق میان مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است''۔

یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے اور جس طرح پر اس کا پڑھنا متعارف ہے، اس طرح پر اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں، شیخ جمال مکی علیہ الرحمۃ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے۔ (۶)

---

(۱) التمهيد، الباب الثامن فى مخارج الحروف: ۱۴۰، مؤسسة الرسالة. انيس

(۲) التمهيد، الباب الثامن فى مخارج الحروف: ۱۴۰-۱۴۱، مؤسسة الرسالة. انيس

(۳-۴) جهد المقل، بيان الفرق بين حروف الصفير: ۱۶۷-۱۶۸، هكذا فى الرعاية، باب الظاء: ۲۲۰-۲۲۱، دار عمار. انيس

(۵) كذا فى جهد المقل عن الرعاية، بيان الفرق بين حروف الصفير: ۱۶۸، انيس

(۶) ويذهب المستشرق "برجشتراسر" إلى أن نطق الظاء كان قريباً من نطق الضاد و كثيرا ما تطابقنا ==

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

''فثبت بما ذکرنا أن المشابهة بين الضاد والظاء شديدة وأن التميز عسير وإذا ثبت هذا فنقول: لو كان هذا الفرق معتبرًا لوقع السوال عنه فی زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم أو فی أزمنة الصحابة لاسيما عند دخول العجم فی الإسلام، فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسئلة ألبتة، علمنا أن التمييز بين هذين الحرفين ليس فی محل التكليف. (۱)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

'' وفرقة أخریٰ تغلب عليهم الوسوسة فی إخراج حروف الفاتحة وسائر الأذكار من مخارجها فلا يزال يحتاط فی التشديد والفرق بين الضاد والظاء وتصحيح مخارج الحروف فی جميع صلاته لايهمه غيره ولايتفكر فيما سواه ذاهلاً عن معنى القرآن، الخ. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی جدید نہیں؛ بلکہ علما ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو فضول سمجھتے ہیں، یہ ضاد مروج کوئی جدید ایجاد ہے، پچھلی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں، آخر یہ کہاں سے آیا، اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی، عامیانہ جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں؛ مگر ایک محقق آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ وقدیمہ کے سامنے اس امر کو تسلیم کرسکتا ہے، خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہوگئی ہے اور بجائے ق کے گ اور اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں، اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی نہیں کرتے؛ مگر ترکوں کو خود سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ''ک'' کی جگہ ''چ'' بولتے ہیں، اگر ضاد مروجہ صحیح ہوتو پھر اس کے کیا معنی؟

صاحب نشر لکھتے ہیں:

'' ليس فی الحرف ما يعسر على اللسان مثله فإن ألسنة الناس فيه مختلفة وقل من يحسنه فمنهم من يخرجه ظاءً ومنهم من يمزجه بالذال، الخ''. (۳)

یہ دشواری اسی وقت ہوسکتی ہے، جس وقت ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے، ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔

== وتبادلنا فی تاريخ العربية وأقدم مثال ذلک: مأخوذ من القرآن الكريم وهو ''الضنين'' فی سورة التكوير: ۲۴، فقد قرأها كثيرون بالظاء مكان الضاد التی رسمت بها فی كل المصاحف وممن قرأها بالظاء: ابن كثير وأبوعمرو والكسائی وكذلک النبی صلى الله عليه وسلم كما قال مكی فی كتاب الكشف. (المدخل على علم اللغة لرمضان عبدالتراب، الضاد: ۱/۷۱-۷۲، انيس)

(۱) حكم القراءة بالشواذ، المسئلة العاشرة: ۱/۷۰، انيس

(۲) إحياء علوم الدين، كتاب ذم الغرور، الصنف الثانی أرباب العبادة والعمل والمغرورون منهم فرق كثير، الخ: ۳/۳۸۹، انيس

(۳) النشر فی القراءات العشر، فصل فی التجويد جامع للمقاصد حاوی للفوائد: ۲۱۸، دار الكتب العلمية. انيس

صاحب جہد المقل کہتے ہیں:

" منهم من يجعلها ظاءً،إلخ،هٰذا ليس بعجيب لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها ويزيد عليها بالاستطالة فلو لااختلاف المخرجين والاستطالة في الضاد لكانت ظاءً. (۱)

ملاعلی قاری شرح جزریہ کے اس شعر "**والضاد باستطالة ومخرج ميز عن الظاء وكلها تجئ**" کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:

"**لكن لما كان تمييزه عن الظاء مشكلاً بالنسبة إلٰى غيره أمر الناظم بتمييزه نطقًا**". (۲)

شرح کیمیائے سعادت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ!

فرق درمیان ضاد وظاء بجا آوردوا گرنتواند روا باشد۔ (۳)

غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں صرف استطالت کا فرق ہے اور مخرج کا ورنہ دونوں متحد الصوت ہیں اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں ایسا فرق ہے جیسا س اور ص میں اور ت اور ط میں، پھر کیا وجہ ہے جو بلوائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا، بلکہ دمطبقہ پڑھتے ہیں، جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا، غیر مقلدین اس طرح پر پڑھتے ہیں اور یہ دلائل ان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں، میں یہ نہیں عرض کرسکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں، میں اپنی محدود واقفیت کی بنا پر عرض کرتا ہوں، آپ کو فقط اسی غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں، چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور ض جس طرح پر کہ ہم اور آپ پڑھتے ہیں، اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا، یہ حوالے اکثر کتب قراءۃ کے تھے، اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرماویں۔

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"**ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفًا أو قدمه أو بدله بآخر (إلٰى أن قال) أما مايشق تمييزه كالضاد والظاء فأكثرهم لم يفسدها.** (۴)

---

(۱) جهد المقل،بيان الفرق بين حروف الصفير،انيس

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية،باب الضاد والظاء:۱۷۸،دار الغوثانی للدراسات القرآنية دمشق.انيس

(۳) شرح کیمیائے سعادت

(۴) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب مسائل زلة القارى:۶۳۲/۱-۶۳۳،دار الفكر بيروت،انيس

فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وإن ذكر حرفًا مكان حرف وغير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين بلا مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ فيه قال أكثرهم لاتفسد صلاته.(۱)

اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق کرنا آسان ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جاویں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی، اس بنا پر اگر ضاد کی جگہ دال پڑھی جاوے، جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں، نماز فاسد ہو جانی چاہئے، پھر علمائے حرمین شریفین کے بعض فتوے بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے، چنانچہ شیخ احمد دحلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظّمہ تحریر فرماتے ہیں:

"**ولو أبدل الضاد بغير ظاء لم تصح قرأته قطعًا**".

اسی فتوے میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ!

"**محمد بن سلمة قال: لا تفسد لأنه قل من يفرق بينهما**".

مفتی عنایت احمد صاحب نے "**البيان الجزيل في الترتيل**" میں لکھا ہے کہ!

"ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ضاد کو بصورت دال پڑھتے ہیں، مشتبہ الصوت دال کا اس کو کر دیا ہے کہ دال پُر نہیں وہ پُر ہے، سو یہ بات جملہ کتب قرأت اور تفسیر کے خلاف ہے، سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء سے ثابت ہے، نہ دال سے"۔

مفتی صدر الدین مرحوم کا ایک فتویٰ ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

"از مدتے درمیان مسلمانان ایں شہر ومضافات آں نزاعی در ضاد معجمہ افتادہ است، بعضے ضاد معجمہ را مشابہ دال مفخمہ می خوانند، بعضے مشابہ ظاء معجمہ؛ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بہ نہجے ادا می کنند کہ مشابہ حرف؛ بلکہ عین دال میشود، وفرق از دال ایں قدر می کنند کہ ضاد را بصوت دال مفخمہ وآواز پر می برارند وایں خود خطاء وغلطی فاحش است، بچند وجوہ"۔(۲)

اس کے بعد چند وجوہ اس کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں:

(۱) **الفتاویٰ الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۷۹/۱، دار الفكر / فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندية، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱۴۱/۱، انيس**

(۲) ایک زمانہ سے اس شہر اور اس کے مضافات کے مسلمانوں کے درمیان ضاد معجمہ کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعض ضاد معجمہ کو دال مفخمہ کے مشابہ پڑھتے ہیں، بعض ظاء معجمہ کے مشابہ، ہندوستان کے اکثر لوگ قرآن میں موجود ضاد معجمہ کو کسی حرف کے مشابہ کے بجائے عین دال پڑھتے ہیں اور دال میں اس قدر فرق کرتے ہیں کہ ضاد کو دال مفخمہ کی آواز میں پُر کرتے ہیں اور یہ خود چند وجوہ سے خطا اور فاحش غلطی ہے۔ انیس

''پس ازیں صاف وہویدا گردید کہ ضاد معجمہ ہمان ست کہ باظاء معجمہ مشابہت دارد، نہ آنکہ مخرج آں قریب مخرج دال ست، چنانچہ عوام مردم ہندستان؛ بلکہ بعضے از خواص ہم می خوانند چہ دال باضاد تخالف وتبائن تمام دارد و در صفات وفرق درمیان ایں بروسہل است، مشکل ودشوار نیست بخلاف ظاء معجمہ، الخ''۔

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ض کو مشابہ ظ کے پڑھنا چاہئے۔

ایک دوسرا فتویٰ اور ہے؛ جس پر نواب قطب الدین خاں صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب کے دستخط ہیں، اس میں بھی یہی لکھا ہے، چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں: ''وساکنان ایں دیار در دال وضاد فرق نمی کنند وجاہل اند وبے تمیز''۔

پھر ایک فتویٰ غدر (۱) سے پہلے کا ہے، جس پر مولوی نوازش علی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہریں ہیں، اس میں بھی یہی ہے کہ ''ض بہت مشابہ ظ سے اور دال کے نہیں''۔

ایک فتویٰ مولوی عبدالحی صاحب کا بھی میں نے دیکھا ہے، جس میں لکھا ہے کہ!

''ض کو مشابہ ''د'' پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہے''۔

میں نے بہت وقت آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں، چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ سے عداوت ودشمنی اور پارٹی قائم ہوگئی اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز ترک کردی، اسی وجہ سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا، آپ کو تکلیف تو بے شک ہوگی، مگر بہت لوگوں کا نفع ہوگا، آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرماویں، اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب ہوجائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا، کچھ زیادہ جلدی نہیں، بہ آسانی جب آپ تحریر فرماسکیں، مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہئے، جس کو مخالف بھی تسلیم کرے، میں تو بے شک جو کچھ آپ تحریر فرماویں گے، اس کو تسلیم کروں گا، مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ شافیہ، جاربردی وغیرہ میں ایسے ض کو جو مشابہ ظاء یا بین بین پڑھا جاوے، مستہجن اور غیر مصحح لکھا ہے، یہ بات بے شک ایسی تھی کہ دل کو لگتی، مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات کیسے پیش کی جاسکتی ہے، پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستہجن اس وقت ہوسکتا ہے، جس وقت اس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے، اگر اس کے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستہجن نہیں ہوگا اور علی سبیل التسلیم ض مستہجنہ بھی ضاد ہے، بخلاف اس کے کہ مشابہ دال پڑھا جاوے؛ اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں، بہر نہج ض مستہجنہ دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا، اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جواز صلوٰۃ اس سے بلوائے عام کے بناپر ہوگا یا کیسے، اگر بلوائے عام اس

(۱) یہ صاف اور واضح ہے کہ ضاد معجمہ ظاء معجمہ سے مشابہت رکھتا ہے، نہ کہ اس کا مخرج دال کے مخرج سے قریب ہے، چنانچہ عوام اور ہندوستان کے لوگ؛ بلکہ خواص دال کو ضاد کے مخالف اور متباین گردانتے ہیں اور صفات میں اور اس کے درمیان فرق آسان ہے، مشکل اور دشوار نہیں ہے، برخلاف ظاء معجمہ، الخ۔انیس

(۲) یعنی ۱۸۵۷ء سے پہلے کا ہے۔انیس

میں ہے تو عوام کے سوا جولوگ اس کو صحیح پڑھ سکتے ہیں، وہ اس کو کس طرح پڑھیں، حرمین اور عرب کا اتباع کر کے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ظاد پڑھیں، اگر چہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سا وقت خرچ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اور ض کو ظ کی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے، آپ ضرور سہارا لگاویں اور مظلوموں کی مدد کریں، بہت سی باتیں میں نے بخوف طوالت چھوڑ دیں، جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائیں گی، میں نے اس خلجان کو رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا، مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی؛ اس لئے حتی الوسع آپ میرے خلجان کو رفع کرنے میں دریغ نہ فرماویں گے۔ فقط والسلام (۱)

الجواب

ضاد کے باب میں عوام کو چھوڑ کر خواص واہل علم کی حالت تتبع کرنے سے بحصر استقرائی چھ صورتیں پائی جاتی ہیں۔

اول: ض وظ میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو؛ یعنی ضاد کو صاف مخرج ظاء سے نکالا جاوے۔

دوم: مخرج میں تمیز ہو؛ لیکن صوت میں بالکل تمیز نہ ہو؛ یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے؛ لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو جس کو اتحاد صوت کہا جاتا ہے۔

سوم: مخرج وصوت دونوں میں تمیز ہو، مگر اقرب الی الظاء ہو؛ یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام نہ ہو؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہو؛ لیکن غالب مشابہت صوت ظاء کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالظاء کی ہیں۔

چہارم: ضاد ودال میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو، گو تفخیم کا فرق کر لیا جاوے؛ یعنی ضاد کو صاف مخرج دال سے نکالا جاوے۔

پنجم: مخرج میں تمیز ہو؛ لیکن صوت میں تمیز نہ ہو؛ یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے؛ لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو۔

ششم: مخرج وصوت دونوں میں تمیز ہو، مگر اقرب الی الدال ہو؛ یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی

(۱) خلاصۂ سوال: سائل ضاد کو ظاء کے ساتھ متحد الصوت ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے، اس دلیل سے کہ ضاد اور ظاء میں تمام صفتیں مشترک ہیں، بجز صفت استطالت کے کہ وہ ضاد میں ہے اور ظاء میں نہیں ہے اور ضاد کا دال سے مشابہ ہونا باطل ہے؛ کیونکہ دونوں میں اکثر صفتوں میں اختلاف ہے، سائل نے اپنے مذکورہ دعوی کے اثبات میں کتب تجوید سے کثیر نصوص پیش کی ہیں، لیکن سائل کے دعوی پر قوی اشکال شافیہ اور جاربردی کی تحقیق سے ہوگا؛ کیونکہ ان کی تحقیق میں ضاد کو ظاء کے مشابہ یا بین بین پڑھنا مستہجن (قبیح) اور غیر مصحح ہے؛ لیکن سائل ان کی تحقیق کو یہ کہہ کر ٹال جائیگا کہ دلائل قاطعہ کے مقابل صاحب شافعیہ وجاربردی کا قول قابل سماعت نہیں۔ (سعید احمد پالنپوری)

صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو، بلکہ من وجہ دون وجہ ہو؛ لیکن غالب مشابہت صوت دال کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں۔

اب اختلاف کرنے والوں میں سے اکثر نے تو صورت اول وچہارم لے کر اختلاف کر رکھا ہے اور ان دونوں صورتوں کا باطل ہونا ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں؛ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک حرف کا دوسرے حرف کے مخرج سے نکلنا عادۃً محال ہے اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تامل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتیں؛ کیوں کہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اور مطلق تشابہ تشابہ تام میں منحصر نہیں؛ بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے، چنانچہ خود سوال ہی میں ''جہد المقل'' سے نقل کیا ہے، **لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما**، اور **عسر تمیز** خود بتلا رہا ہے کہ تمیز تو ہے، مگر عسیر ہے، ورنہ عسر تمیز نہ رہے گا؛ بلکہ **عدم التمیز** ہو جاوے گا اور جب ظاء سے متمیز ہے، باوجود یکہ دونوں صفات کثیرہ وقرب مخرج میں متشارک ہیں تو دسے بدرجۂ اولیٰ متمیز ہوگا؛ کیوں کہ عسر تمیز کو جہد المقل میں معلل اس علت کے ساتھ کیا ہے! **فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها**، (۱) اور ارتفاع علت علت ہے ارتفاع معلول کی، پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تمیز کی، پس تشابہ تام منفی ہوگیا۔ **وهذا هو المطلوب**

اب صورت سوم وششم باقی رہ گئی، جن میں تردد ہوسکتا ہے؛ لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ صوت میں تمیز ہے، مگر بہ نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالظاء ہے، تمیز کے لئے جہد المقل کا عسر تمیز کا حکم کرنا اور اشبہیت کے لئے اس کو متشارک الصفات کہنا دلیل کافی ہے، جیسا ابھی دونوں کی تقریر گزر چکی ہے، جب ان سب صورتوں میں سے صورت سوم کا حق ہونا متعین ہوگیا تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں، ان میں سے کوئی اس صورت کو مضر نہیں، چنانچہ قاضی خان میں عسر تمیز کو لکھا ہے، سواس میں خود تمیز کا اثبات ہے اور عسر کا سبب اشبہیت ہے، آگے کتب قرأت سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے، اس سے بھی اشبہیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی ہے: **يشبه لفظه في السمع، الخ**. (۲) سواس کا تحقق مطلق اشبہیت سے بھی ہوسکتا ہے تشابہ تام واتحاد لازم نہیں۔ آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ ظاد نکلنے کا کیا ہے، یہ مسلم نہیں، البتہ اشبہ بالظاء نکلتا ہے۔ آگے رخوت سے استدلال ہے، یہ بصوت دال نکالنے کو مضر ہے، نہ مطلق تمیز عن الظاء کو۔ آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہے، **فليحفظ، الخ**. اس سے بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے، نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردید سے شبہ ہو، **فيصير عندها ظاءً وضادًا**، سواس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تفخیم

(۱)　جهدالمقل، المقالة الثانية في بيان الفرق بين بعض الحروف المتشابة: ۱٦٦-۱٦۹، دارعمار، انيس

(۲)　كتاب الرعاية، باب الظاء: ۲۲۰، دارعمار، انيس

ذال میں مخرج کی پوری حفاظت کی، تب تو ظاء بن جاوے گی اور اگر مخرج بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حافۂ لسان ہوگیا تو ضاد بن گیا، چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا یہ کہنا!"لأنھا أخت الظاء فی المخرج، الخ" مؤید اس کا ہے۔ آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے!"إلا أنه حصل ،الخ " اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔ آگے شاہ صاحب کا قول ہے، سو عسر تمیز خود مسلم ہے، مگر اتحاد کو غیر مستلزم۔ آگے شرح قصیدۂ نونیہ کی عبارت ہے، اس میں بھی عسر تمیز اشتد ادشبہ مذکور ہے، جو مضر نہیں۔ آگے تمہید کی عبارت ہے، اس میں صرف استطالت واختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے، سو یہی مبنی ہے تمیز بینھما کا، اس سے تمیز فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی، اسی طرح دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تمیز کی نفی نہیں۔ آگے مرعشی کا مضمون ہے، اس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔ آگے جہد المقل اور رعایہ سے جو نقل کیا ہے، اس میں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تمیز کو نہیں۔ آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے، اس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والاستطالت کا اثبات ہے، اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی واستثناء دال علی الحصر سے شبہ ہو کہ اس میں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہوگئی، ورنہ حصر نہ رہے گا، سو جب کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ!" الشیٔ إذا ثبت ثبت بلوازمه". سو جو شخص افتراق فی المخرج کو ملزوم افتراق فی الصوت کا مانے گا، وہ کہہ دے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزوم ولازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کی۔ شاہ صاحب کا قول سوال میں مکرر ہوگیا ہے، اس کا جواب اوپر گذر چکا۔ آگے شیخ جمال وامام رازی وامام غزالی کے اقوال سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضاد وظاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں، چنانچہ خود سوال ہی میں جزریہ کا شعر!و الضاد ،الخ، منقول ہے، جس میں تمیز کا امر کیا ہے۔

ودر منہاج التجوید از رعایہ آوردہ:

"ولابد له (للقاری) من التحفظ بلفظ الضاد حیث وقعت(إلیٰ أن قال)... ومتیٰ فرط فی ذلک أتی بلفظ الظاء أو الذال فیکون مبدلاً ومغیراً" آہ.(۱)

واز نشر گفتہ:

"فلیحذر من قلبه إلی الظاء".(۲)

واز احیاء العلوم در ربع اول آوردہ:

" ویجتهد فی الفرق بین الضاد والظاء".(۳)

(۱) منهاج التجوید/الرعایة باب الضاد: ۱۸۴-۱۸۵،دارعمار .انیس

(۲) النشر فی القراء ات العشر ،فصل فی التجوید جامع للمقاصد حاوی للفوائد: ۲۲۰/۱،انیس

(۳) إحیاء علوم الدین،القراء ة: ۱۵٤/۱،دار المعرفة بیروت. انیس

وازشرح مقدمہ جزری:

"أن الضاد أعسر الحروف على اللسان فليحسن برعايتها أى لاتكون مشابهة بالظاء والذال والزاء، آه".(۱)

وملاعلی قاری درشرح مقدمہ جزری گفتہ:

" ليس فى الحروف مايعسر على اللسان مثله ، وألسنة الناس فيه مختلفة ، فمنهم من يخرجه ظاءً ، ومنهم من يخرجه دالا مهملة أومعجمة ، ومنهم من يخرجه طاء مهملة كالمصريين ، ومنهم من يشبهه ذالاً ، ومنهم من يشربُها بالظاء المعجمة لكن لماكان تمييزه من الظاء مشكلا بالنسبة إلٰى غيره أمر الناظم بتمييزه عنه نطقاً "آه.(۲)

ان تصریحات کے مقابلہ میں ان حضرات کا قول کہ خود متابعین اہل فن سے ہیں، ائمہ فن سے نہیں ہیں، حجت نہ ہوگا۔

علاوہ(۳)ازیں امام غزالی کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ضاد اور ظاء میں تمیز نہ کی جاوے اوراس کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے، جنہوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنالیا ہے اور تدبر وتفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مغز صلوٰۃ ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اس کی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے؛ کیوں کہ جس طرح انہوں نے فرق بین الضاد والظاء کو قابل اعتراض بتایا ہے، یوں ہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے، پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور ظاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ جیم اور خاء دال اورسین میں بھی امتیاز ضروری نہیں، **ولايقول به أحد فثبت ما ذكرنا.**

دوسرے آگے سوال میں خود غزالیؒ کا قول نقل کیا ہے "فرق درمیان ضاد وظاء بجا آرد" یہ قول سابق کے معارض ہے، تیسرے محمول ہوسکتا ہے معذور پر، چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے: **" أن المشابهة بين الضاد والظاء شديدة وأن التمييز عسير"** (۴) پھر **"إذا ثبت"** کہہ کر اس کو متفرع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے "واگر نتواند روا باشد"، آگے نشر اور جہد المقل وغیرہما کی عبارت ہے، ان سے یہی عسر تمیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز؛ بلکہ جزریہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے، آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے، سوہم خود اس صورت کو صحیح

(۱) كذا فى التمهيد فى علم التجويد،وأما الضاد: ۱۴۰، ۱۴۲.مؤسسة الرسالة.انيس
الضاد من أعسر الحروف نطقاً وتحتاج إلى كثير من الدربة والمهارة ولا يحسن النطق بها إلا الحاذقون المهرة فيجب الحذر من أن تخرج عند النطق أقرب للظاء خاصة إذا جاء بعدها ظاء نحو قوله تعالىٰ: ﴿أنقض ظهرها﴾، الخ.(الميزان فى أحكام تجويدالقرآن،الملاحظات: ۹۶/۱،دارالإيمان القاهرة.انيس)

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية،باب الضادو الظاء: ۱۷۷-۱۷۸،دارالغوثانى للدراسات القرآنية دمشق.انيس

(۳) یہاں سے ما ذکرنا تک تصحیح الاغلاط،ص: ۲۰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴) تفسيرالرازى،الباب الأول فى المسائل الفقهيةالمستنبطة: ۶۹/۱،دارإحياء التراث العربى.انيس

نہیں کہتے ہیں؛اس لئے ہم کومضر نہیں،آ گے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے،اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے،تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے،یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں،یعنی ظاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں،جس کا غلط ہونا اوپر گذر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں **غیــر الـمـغـضـوب** میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد،ص:۴۴ میں امام ابوعمرو دانی سے نقل کیا ہے:

وقد كان بعض الفقهاء من أصحابنا لايقرء الصلاة خلف من لم يميز الضاد من الظاء وذلک كذلک لانقلاب المعنى وفساد المراد.(۱)

بلکہ اکثر بجائے مخرج ظاء کے مخرج زاء سے پڑھتے ہیں؛ بلکہ خود ظاء کو بھی مخرج زاء سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلم ہے،(۲) اور پنجم وششم پر غیر مسلم؛ کیوں کہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور ظاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔آ گے درمختار وعالمگیری وقاضی خاں کی عبارتیں ہیں،ان میں دو حکم ہیں،اول عسر تمیز سو یہ مسلم ہے،مگر نفی تمیز کو مستلزم نہیں،دوسرا حکم فرق درمیان حروف عسیر التمیز وحروف یسیر التمیز کے صحت وعدم صحت صلوٰۃ میں،سو اول تو بعض جزئیات اس کے معارض ہیں،چنانچہ **مـغـضـوب عـلـيهـم** میں ظاء کا مفسد صلوٰۃ ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف عسیر التمیز میں بھی تبدیل مفسد ہے۔

اور نیز قاضی خاں میں ہے:

"ولو قرأ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ يعودون بالدال لاتفسد صلاته".

اور تھوڑی دور بعد ہے:

"ولو قرأ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِذَنِيْنَ بالذال لا تفسد صلا ته".(۳)

جب ض اور ز "**بـضـنـيـن**" میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور دال اور ز "**يـعـوذون**" میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور مساوی کا مساوی،مساوی ہے،پس دا اور ضاد مساوی ہو گئے،پس یہاں حروف یسیر التمیز میں بھی تبدیل مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی "**يـعـوذون**" میں دال اور ذال کی تبدیلی کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے، اس حکم کو کہ حرف یسیر التمیز کی تبدیل بھی مفسد نہیں ہوتی؛ کیوں کہ دا اور ذ میں تمیز بہت آسان ہے،پس یہ جزئیات اس

(۱) رسالہ محو الفساد،ص:۴۴۔

(۲) یہ تسلیم بالنظر الی الذات ہے،ورنہ اگر عارض خارجی یعنی تشبہ بالروافض وغیرہ پر بھی نظر کی جاوے گی،تو پھر صورت چہارم ہی راجح ہے۔كما بينا من قبل.(تصحیح الأغلاط:۲۱)

(۳) فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندية،فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۴۲-۱۴۳،انیس

قاعدہ کے سراسر خلاف ہوئیں، دوسرے بعض فقہا نے حروف یسیر التمیز میں بلویٰ عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے، چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح کی ہے، پس تبدیل ض بالدال میں بھی حکم فساد کا متقین نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد شیخ احمد وحلان کا قول ہے! "**لم تصح الخ**" یہ بناءً علی بعض الاقوال ہے، جس کا التزام لازم نہیں، آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے، اس کا مضر نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علماء دہلی ولکھنؤ کے اقوال ہیں، سوصورت سوم کو کچھ مضر نہیں، جس کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا، اس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں، اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کرلی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافیہ وجاربردی وغیرہما میں اقوال ائمہ عربیت کے جمع کئے گئے ہیں؛ اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے، اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج وصفات کا لحاظ نہ ہوتب مستہجن ہے، یہ بھی نہایت بارد ہے؛ کیوں کہ اس وقت تو یہ ماہیت ض ہی سے خارج ہوجاوے گا، نہ کہ ض مستہجن رہے؛ کیوں کہ منجملہ مسلمات ہے: "**ثبوت الشیء للشیء فرع ثبوت المثبت له**"(۱) اور جب مثبت لہ یعنی ض ہی باقی نہ رہا تو اس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہوگا اور آخر کار عذر مبنی ہے عذر اول پر، چنانچہ تصریحاً کہا گیا ہے کہ ض مستہجنہ بھی ض ہے، الخ۔ سومبنی کا انہدام ابھی ہو چکا ہے اور اگر تقریر کو اس طرح بدلا جاوے، جس طرح بعضوں نے کہا کہ! ظاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف تو ہے اور دال مفخم تو کوئی حرف ہی نہیں، یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے؛ لیکن اس کا معارضہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ مفخمہ کو کوئی حرف نہیں، مگر دوسرے حروف ظاء وغیرہ سے ممتاز ہے اور اس لازم میں ض کا شریک ہے اور ظاء وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے؛ اس لئے اس کو ظاء پر ترجیح ہوگی تو اس معارضہ کا جواب مرجح اول کے ذمہ رہے گا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم اس کی ترجیح کے قائل ہیں، صرف دلیل کا حال دکھلانا مقصود ہے، ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے، جیسا اوپر بیان ہوا، پس دلیل استہجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہوسکا، البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بین باعتبار مخرج کے ہو؛ یعنی اگر حافۂ لسان واضراس سے استطالت کے ساتھ ادا ہو تو ض فصیح ہے اور اگر طرف لسان وثنایا سے اداء ہو تو ظاء ہے اور اگر حافہ واضراس سے بلا استطالت ادا ہو تو ضاد مستہجن ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد الفصیحۃ وبین مخرج الظاء ہوگا تو یہ بین بین مخرج میں ہوا نہ صوت میں؛ اس لئے مدعا پر دال نہیں، اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا، مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے، نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں؛ اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔

---

(۱) تیسیر التحریر، التقسیم الثانی: ۱/۱۹۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت. انیس

بہرحال اب تک جس قدر نظر وفکر نے کام د،یا اس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور عوام کا د کے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین وغیرہم کا ظاء کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا (معاملہ) جواز وفساد صلوٰۃ کا سو ہر چند کہ اس میں روایات فقہیہ سخت متخالف ومتعارض ہیں، مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ قصد سب کا ضؔ ہی ادا کرنے کا ہے، صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے، متاخرین فقہا کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی، باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہوجاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا، اس کی بھی نماز ہوجاتی ہے، البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں، یا دال پڑھتا ہوں، اس کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔(۱)

فی الشامية عن خزانة الأكمل: قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد وإن جرى علىٰ لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار، آه. (۲) والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۱۲۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۶۸-۲۸۵) ☆

---

(۱) حضرت مجیب قدس سرہ نے استقراء سے چھ ۶ صورتیں نکال کر ترجیح تیسری صورت کو دی ہے، یعنی مخرج وصوت دونوں میں تمیز ہو، مگر اقرب الی الظاء ہو، یعنی ضاد کو بھی نکالا جاوے اس کے صحیح مخرج سے، اور ضاد اور ظاء کی آوازوں میں تشابہ تام بھی نہ ہو، بلکہ من وجہ دون وجہ ہو، لیکن مشابہت ظاء کی آواز کی ہو۔

اس کے بعد سائل نے جو عبارتیں ضاد اور ظاء کے متحد الصوت ہونے پر پیش کی ہیں، ان پر بحث فرمائی ہے، اور ان کا مخالف نہ ہونا بیان کیا ہے، لیکن شافیہ اور جابردی والا اشکال ہنوز باقی ہے۔

حضرت مجیب قدس سرہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ بین بین ہونا وہ ہے جو مخرج کے اعتبار سے ہو، وہ قبیح اور نادرست ہے، لیکن ہماری مرجح صورت میں ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے، البتہ صفات میں اشتراک کی وجہ سے غالب مشابہت ظاء کی پیدا ہوجاتی ہے، لہٰذا یہ شافیہ اور جابردی کے ''بین بین'' یا مشابہ ظاء'' میں محسوب نہ ہوگا۔ یہ بحث آگے آرہی ہے۔ (سعید احمد)

(۲) **ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله "تعالىٰ جدك" بدون ألف لا تفسد: ۱/۶۳۳، انيس**

☆ ضاد کے متعلق فتویٰ ودیگر تحقیقات:

الأول: قوله في الجواب عن السوال الأول:

''ضاد معجمہ را با متیاز مخرج خود مائل بصوت ظاء معجمہ تلفظ باید کرد''۔

قلت: اگر مراد ایں ست کہ امتیاز درمیان ایں ہر دو محض باعتبار مخرج است ودر صوت اصلاً تمائز نیست۔

فلا دليل عليه والحكم بالتشابه في كتب القراءة لا يستلزم الحكم بالتشابه التام بل يمكن تحققه في ضمن التشابه الغير التام.

==

== واگر مراد اینست کہ درصوت ہم امتیاز می باید کرد، پس عبارت برائے ایں مقصود کافی نیست، (فی نفسہ عبارت کافی است؛ زیرا کہ مفتی مائل بصوت ظاء گفتہ نہ کہ (متحد) بصوت ظاء نعم مظنہ غلط فہمی عوام است کہ ایں چنیں باریکیہا رانمی فہمند یا براہ تعصب ازاں غض بصری نمایند، بنا بریں تنصیص ایں ضروری می بود کہ بصوت ظاء تلفظ نمی باید کرد۔ (تصحیح الاغلاط،ص:۲۱) بالخصوص باعتبار بعضے عوام کہ شیفتہ ظاء خالصہ خواندن ہستند، ایشاں ایں عبارت را برموافق ہوائے خود محمول خواہند داشت۔

الثاني: قوله في الجواب عن السوال الثاني:

''باعث عدم تعسر امتیاز درمیان ہر دویعنی ضاد ودال بالاتفاق مفسد صلوٰۃ خواہد شد الخ''۔

أقول: في ردالمحتار مانصه: في التاتارخانية عن الحاوي حكى عن الصفار أنه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لايفسد لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة، آه. وفيها إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أو الزاء المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ آه. قلت: فينبغي علٰى هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سيناً والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا فإنهم لايميزون بينهما ويصعب عليهم جدًا كالذال مع الزاء ولا سيما علٰى قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله "تعالٰى جدک" بدون ألف لا تفسد: ۶۳۳/۱، انیس)

پس در حکایت اتفاق کلام است وشک نیست کہ بعضے عوام چنانکہ در ابدال ضاد معجمہ بظاء خالصہ مبتلا ہستند ہمچنیں بعضے؛ بلکہ اکثر در ابدال ش بدال گرفتار اند، پس عموم بلوی در ہر دو جا مشترک است وحسب روایت ردالمحتار ہر دو در عدم فساد متساوی اند واز آنچہ از قاضی خاں وغیرہ فساد در ابدال بدال نقل کردہ شدہ است خود قاضی خاں در **مغضوب عليهم و العاديات ضبحا** ابدال ضاد بظاء را مفسد گفتہ **فكان الإبدالان متساويين.**

الثالث: قوله في الجواب عن السوال الثالث:

''بلا قصد واختیار عین ظاء برزبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ''۔

أقول: ایں صحیح است، لیکن اکتفا بر ذکر شق واحد عوام را بایں وجہ مضر است کہ اہل ظاء قصداً واختیاراً ظاء میخوانند، ایشاں از قید عدم قصد واختیار قطع نظر کردہ بر ظاء خالصہ خواندن تمسک خواہند کرد آرے اگر شق ثانی ہم تصریحاً مذکور بودے کہ در حالت قصد، چنانکہ عوام زمن کنند جائز نیست، پس احتمال ایں اضرار نماندے باز فرق نشناختن مشترک است میان دال وظاء از ضاد، پس صحت صلوٰۃ حکم مشترک می باید بود، وممکن است کہ منشاء ایں ہمہ کلام عدم مہارت احقر در تجوید باشد؛ لیکن برائے دستخط نہ کردن عذرے کافی ست۔

قال اللّٰه تعالٰى: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ﴾. (سورة بني إسرائيل: ۳۶، انیس)

وقال صلى اللّٰه عليه وسلم: "لا تشهد حتٰى ترى مثل الشمس". فقط واللّٰه تعالٰى أعلم وعلمه أتم

۷/رجب ۱۳۲۳ھ (امداد: ۱۳۹/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۸۵/۱-۲۸۷)

حرف ضاد میں اختلاف کی وجہ سے دو جماعت:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین وشرع متین دریں مسئلہ!

بروز عیدالفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابہ د، وض بمشابہ ظ، در دو مقام علیحدہ علیحدہ نماز شدہ، اعنی دو جماعت، اول ض بمشابہ د علیحدہ، جماعت دوم ض بمشابہ ظ علیحدہ، مابین فریقین نقیض است کہ نماز شما درست نشدہ، یکے با دیگرے متنازع اند، اجیبوا وبینوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

الجواب

فی قاضی خان: وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، الخ.

وفيه: قرأ غير المغضوب بالظاء وبالذال تفسد صلاته ولو قرأ الظالين بالظاء أوبالذال لا تفسد صلاته ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته. (۲)

از روایت اولیٰ معلوم شد کہ ضاد اشبہ است بظاء از دال، واز روایت ثانیہ مفہوم گشت کہ قصداً ظاء خواندن وہمچناں دال خواندن جائز نیست، پس واجب است کہ قصد تصحیح کردہ شود وباوجود قصد صحیح خواندن غلطی عفو ست لعموم البلویٰ۔

پس مفسدۂ نزاع ازیں مفسدہ اقبح واشنع است، چنیں امور راموجب تفریق بین المسلمین نمودن وبال عظیم است۔ اما (۳) امام را باید کہ از خواندن ظاء احتراز نماید کہ در آن علاوہ غلطی کہ مشترک است میان دال خواندن ہر دو تشبہ باہل اہواء مثل روافض خذلہم اللہ وغیر مقلدین واتباع ہوائے ایشاں وترویج بدعت ایشان ست۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (۴)

۹ر شوال ۱۳۲۳ھ۔ (امداد صفحہ: ۱۴۰ر ج: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱ر ۲۸۷)

---

(۱) خلاصۂ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدالفطر کے روز دو جماعت الگ الگ ہوئی، حرف ضاد کے دال کے مشابہ یا ظاء کے مشابہ ہونے پر نزاع کی وجہ سے، ایک جماعت دال کے مشابہ والی دوسری ظاء کے مشابہ والی، دونوں آپس میں جھگڑ رہے ہیں کہ تمہاری نماز درست نہیں، لہذا اس مسئلہ کا واضح جواب دیں، واللہ اعلم، انیس

(۲) **فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندية، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ١/ ١٤١-١٤٢۔**

(۳) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط، صفحہ: ۲۱ سے ترمیم کی گئی ہے۔

(۴) خلاصۂ جواب: فتاویٰ قاضی خاں کی مندرجہ بالا روایتوں میں سے پہلی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حرف ضاد حرف ظاء کے زیادہ مشابہ ہے بہ نسبت حرف دال کے۔ دوسری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ قصداً ظاء پڑھنا اسی طرح دال پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لہذا واجب ہے کہ اس کی درستگی کا قصد کیا جائے، اور صحیح پڑھنے کے قصد کے باوجود غلطی معاف ہے، عموم بلویٰ کی وجہ سے، پس مفسدۂ نزاع اس مفسدہ سے زیادہ قبیح وشنیع ہے، ایسے معاملے کو مسلمانوں کے مابین تفریق کا ذریعہ بنانا بہت بڑا وبال ہے۔ بہرحال امام کو چاہئے کہ ظاء پڑھنے سے احتراز کرے، اس لئے کہ اس میں دال پڑھنے کی غلطی کے علاوہ اہل اہوا مثلاً روافض اور غیر مقلدین سے تشبہ بھی ہے اور ان کی خوہشات کی پیروی اور ان کی بدعات کی ترویج بھی ہے۔ واللہ اعلم، انیس

حرف ضاد ادا کرنے سے معذور کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص حرف ضؔ معجمہ کو اس کے مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، وہ شخص حرف مذکور کو بصورت ضائے منقوطہ کہ دونوں حرف مفخم اور مشتبہ الصوت ہیں، جیسا کہ کتب قرأت وتفسیر وفقہ مثل جزری وفتح العزیز واتقان وفتاویٰ قاضی خاں وفتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور صفات میں بھی مانند رخوہ واستعلاء واطباق وغیر آں متحد **كما بحث عنه في موضعه** پڑھے، یا بصورت دال مہملہ کہ جو مرقق وغیر مشتبہ الصوت وبعض صفات متضادہ ضاد معجمہ مثل شدت وانخفاض وانفتاح کے ساتھ متصف ادا کرے، جیسا کہ فی زماننا اکثر اشخاص پڑھتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد ودال وذال وظاء مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے؛ **كما لايخفى** ۔پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات ظا ودال اور، جب تغایر ذاتی ثابت ہو گیا تو اب ضاد کو ظاء یا دال پڑھنا ایسا ہے، جیسا با کو تا، ثا کو جیم، حا کو خا، **وهذا باطل بالإجماع فكذا ذلك.**
اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں، جیسا جیم اور دال کو صفات جہر وشدت وانفتاح وانخفاض واصمات وقلقلہ میں متحد ہیں، باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے، پھر ان دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے، **وعلى هذا القياس** اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد وظاء میں تشابہ تام ہے اور صرف تغایر فی المخرج واستطالت فارق ہے، اسی طرح ضاد ودال میں تقارب بلیغ ہے کہ محض (۱) تغایر فی المخرج واطباق فاصل ہے۔
كما صرح به في المفتاح الرحماني في علم القراءة، لو لا الإطباق فيها لكان الصاد سينًا والطاء تاءً والظاء ذالًا والضاد دالًا. انتهٰى (۲)
اس سے ثابت ہوا کہ ظاء کو ذال کے ساتھ ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق ممیّز ہے؛ بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظاء کے؛ جیسا شافیہ میں ہے:
وللضاد أول احدى حافتيه ومايليها من الأضراس واللام مادون طرف اللسان إلى منتهاه

(۱) حصر اضافی ہے، پس اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے۔

(۲) قال الرماني وغيره: لو الإطباق لصارت الطاء دالاً لأنهما ليس بينهما فرق إلا الإطباق ولصارت الظاء ذالاً ولصارت الصاد سيناً. (الميزان في احكام تجويد القرآن لفريال زكرياالعبد، مخارج الحروف: ۵۲/۱، دار الأيمان)
الإطباق: وهو انحصار الصوت لانطباق اللسان عند النطق بالحرف على مايحاذيه من الحنك، وحروف الإطباق أربعة: الصاد، والضاد، والطاء، والظاء. (الكنز في القراءات العشر، صفات الحروف: ۱۶۹/۱، مكتبةالثقافة الدينية القاهره. انيس)

ومافوق ذلک وللراء منهما مايليها وللنون منهما مايليها وللطاء والدال والتاء طرف اللسان وأصول الثنايا وللصاد والزاء والسين طرف اللسان والثناياوللظاء والذال والثاء طرف اللسان وطرف الثنايا (إلٰى أن قال:) كل مخرج قدم ذكره فهوأقرب إلٰى الصدرمما بعده وكذا كل حرف سبق ذكره فهوأقرب إليه مما بعده،انتهٰى.(۱)

پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف؛ یعنی لام، راء، نون، ظاء مذکور ہیں اور ظاء کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اس کے اور ضاد کے نو حرف یعنی لام، را، نون، ظاء، دال، تا، صاد، زا، سین مذکور ہیں، معلوم ہوا کہ ضاد و دال (۲) میں زیادہ قرب ہے بہ نسبت ضاد وظاء کے۔ پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو ظاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی ظاء کے ساتھ۔ پس ضاد کو ظاودال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز وعدم جواز میں متساوی الاقدام ہیں، (۳) اگر ضاد کو ظاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظاء پڑھنا بھی جائز نہیں اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال وظاء پڑھنا بالا جماع باطل ہے، پس ثانی متعین ہو گیا کہ کسی صوت میں پڑھنا جائز نہیں و نیز بتصریح ائمہ قرأت یہ ضاد محض مشابہت (۴) ظاء سے حروف مستہجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔

فی الشافية:والضاد الضعيفة ... فمستهجنة،انتهٰى. (۵)

وفی النظامية شرح الشافية:والضاد الضعيفة أى التى تكون بين الضاد والظاء.(۶)

وقال فی الكفاية شرح الشافعية:والضاد الضعيفة بين الضاد والظاء.انتهٰى (۷)

اور حروف مستہجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں۔

كما فی رسالة تبعيد الضاد عن صوت الظاء:كانت تلک الضاد ضعيفة مستهجنة محرمة فی القراءة والتلاوة.انتهٰى (۸)

(۱) الشافية،مخارج الحروف الأصلية:۳/ ۲۵۰-۲۵۱،دارالكتب العلمية بيروت.انيس
(۲) یعنی باعتبار اداتعمداً کے۔منہ
(۳) یعنی باعتبار اقربیت مخرج کے نہ کہ صفات وصوت کے۔منہ
(۴) یعنی مشابہت مع تبدیل مخرج سے، ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہ صوت لازم ہے۔منہ
(۵) الشافية،مخارج الحروف الفرعية:۳/ ۲۵۴،دارالكتب العلمية.انيس
(۶) النظامية شرح الشافية،كذافی شرح شافية ابن حاجب،مخارج الحروف الفرعية:۲/ ۹۲۲،بيروت.انيس
(۷) الكفاية شرح الشافية،كذافی شرح شافية ابن حاجب،مخارج الحروف الفرعية:۲/ ۹۲۲،بيروت.انيس
(۸) تبعيد الضاد عن صوت الظاء
وأما الضاد الضعيفة فقد نص لما ذكر عدة الحروف على أنها تتكلف من الجهة اليمنٰى.(الدرالنثير والعذب النميرلعبدالوهاب المالقى،الفصل الثالث فی ذكرالحروف ومخارجها: ۱/ ۱۷.دارالفنون للطباعة والنشر جدة.انيس)

پس ہرگاہ بوجہ استہجان کے مشابہ ظاء کے پڑھنا جائز نہیں، تو بعینہ ظاء پڑھنا کیوں کر جائز ہوگا؟ بلکہ اگر عمداً پڑھے گا تو اس کی نماز کی صحت وفساد میں اختلاف ہے اور مفتی بہ فساد صلوٰۃ ہے۔

(قوله إلا ما يشق،الخ)قال فى الخانية و الخلاصة:الأصل فيما إذا ذكر حرفًا مكان حرف و غير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد،وإلا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد آه.وفى خزانة الأكمل قال القاضى أبو عاصم:إن تعمد ذلك تفسد،وإن جرىٰ علىٰ لسانه أولايعرف التمييز لاتفسد،وهو المختار(حلية)وفى البزازية:وهو أعدل الأقاويل،وهو المختار،آه.(۱)

پس تحقیق مذکور سے واضح ہوگیا کہ ضاد کو دال یا ظاء پڑھنا ناجائز وتحریف صریح ہے۔

وقد ورد فيه ما ورد قال الله تعالىٰ:﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه﴾الاٰية (۲)

بلکہ حتی الوسع اس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے، خواہ نکلے یا نہ نکلے، صحیح نکلے یا غلط، ظاء نکلے یا دال مہملہ یا غیر ان دونوں کا شرعاً وہ معذور اور مصیب ہوگا، **لقوله تعالىٰ:﴿لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ الاٰية.**

بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادا نہ ہوگا، تب بھی دو اجر ملیں گے اجر مشقت و اجر قراءۃ۔

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت:قال رسول الله صلى عليه وسلم:"الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة،والذى يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران". {متفق عليه}(۳)

لیکن اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے۔

لقوله تعالىٰ:﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً﴾(۴)

اور تفسیر حسینی (میں) تحت ایں آیت آوردہ: واز مرتضی علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد بترتیل حفظ وقوف ست و ادائے حروف، انتہی۔(۵)

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب إذا قرأ قوله" تعالىٰ جدك"بدون ألف لا تفسد: ۶۳۳/۱،انيس

(۲) سورةالنساء:۴۶۔

كانوا يحرفون نظمه ورصفه ومنهم من كان يحرف أحكامه وشرائعه فهذا القرآن شاهد وقيم فى بيان مافعلوا.(تفسير الماتريدى،تفسير سورة النساء:۱۳۳/۷،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

(۳) الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافر وقصرها، باب فضل الماهر بالقراءة والذى يتتعتع به: ۳۱۲/۱ (ح:۷۹۸) بيت الأفكار،بيروت،انيس

(۴) سورة المزمل:۴۔

(۵) یعنی! تفسیر حسینی میں اس آیت کے تحت حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ترتیل سے مراد اوقاف کو یاد کرنا اور حروف کی ادائیگی ہے، اھ۔انیس

اور "رتــل " وجوب کے لئے ہے،اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا،گنہ گار ہوگا،**لما مر من الأمر المذکور.**

ولما فی الدر المختار فی بحث عدم جواز اقتداء غیر الألثغ بالألثغ هكذا: "وحرر الحلبی وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائمًا حتمًا كالأمی".

وفی الشامی: (قوله دائمًا)أی فی آناء اللیل وأطراف النهار،فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیه فصلاته جائزة،وإن ترک جهده فصلاته فاسدة كما فی المحیط وغیره ...(قوله حتمًا)أی بذلاً حتمًا فهو مفروض علیه،ط.(۱)

یہ حکم تھا الثغ کا جو قادر نہ ہو تکلم سین وراء پر اور یہی حکم ہے اس شخص کا،جو کسی خاص حرف مثل ضاد وغیرہ کے تلفظ پر قادر نہ ہو،**لما فی الدر المختار: وكذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف،آه.(۲)**

وفی الكلام سعة لا یتحمله المقام،والله الهادی إلٰی الصواب وهو المنعام.فقط

۲۶/رجب روز یکشنبہ ۱۳۰۳ھ-(امداد:۱/۱۴۲)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۸۷-۲۹۱)☆

(۱-۲) الدر المختار مع رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب فی الألثغ:۱/۵۸۲،دار الفكر بیروت.انیس

سوال: تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافتی اللسان اور دونوں داڑھوں میں سے ہے،اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے،تو ضاد بصوت ظاء ادا کیا جاتا ہے اور مخرج مروجہ سے یعنی اگلے دانتوں کے مسوڑھے سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے،تو ضاد بصوت دال مفخمہ ادا ہوتا ہے،کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصوت ظاء ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے،چونکہ اس کا مخرج درحقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور ظاء معجمہ صفات میں یکساں ہیں،صرف طول اور قصر کا فرق ہے اور دال سے بہت تفاوت ہے،لہذا اب التجا یہ ہے کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہئے،ضاد بصوت ظاء جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مفخمہ جائز ہوگا،چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے علما موجود ہیں،پھر ہم کو پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے،جہاں تک کتابوں سے تحقیق کیا ہے،وہاں تک ضاد بصوت ظاء معلوم ہوا ہے،اب آنجناب اس کی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرماویں؟

الجواب

اس میں جو دو عادتیں ہوگئی ہیں،ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج ظاء سے نکالنا،دونوں غلط ہیں،مخرج صحیح سے نکالنا چاہئے،اس سے صوت مشابہ ظ کی پیدا ہوگی،نہ عین ظ کی،مشاق کے ادا کرنے میں ذ اور ض اور ظ میں فرق متمیز ہوتا ہے۔فقط واللہ اعلم

۲۵/جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ(تتمہ اولیٰ:ص۴۴)-(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۹۱-۲۹۲)

سوال: حرف ضاد معجمہ زید مشابہ دال یا ظاء کے پڑھتا ہے،اور اگر سیکھے تو صحیح سیکھ سکتا ہے،مگر سیکھتا نہیں،جیسے غیر مقلد ظاء پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال موٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں،جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے،وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے پیچھے پڑھنی درست ہے؟ ==

الجواب

اس حرف کو جو غلط بظن صواب وبقصد صواب پڑھیں، جیسا ابتلاء عام ہے، چونکہ عموم بلویٰ موجبات تیسیر وتخفیف سے ہے، اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہوجاتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۶/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ: ص۴۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۹۲/۱)

سوال: ایک سوال آیا تھا جس کا حاصل یہ کہ دالین پڑھنا یا ظالین ہر ایک کو ایک ایک فرقہ مفسدۂ صلوٰۃ کہتا ہے، یہاں سے یہ جواب دیا گیا؟

الجواب

ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط ہے، ظاء پڑھنا بھی غلط، قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے، گو بوجہ عموم بلویٰ کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی کسی ماہر تجوید سے مشق کرکے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے، اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے۔

۱۰/صفر ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ: ص۱۷۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۹۲/۱-۲۹۳)

سوال: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، الحمد للّٰہ الذی خلق صوت کل حرف من الحروف متخالفًا ومتغایرًا وإن کان اشتراک بعضھا مع البعض فی الصفات ظاھرًا، والصلاۃ والسلام علٰی من لاینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحٰی وعلٰی صحبہ الذین من تابعھم فقد اھتدٰی ومن خالفھم فضل وغوی، أما بعد فأقول أولا.

آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضی از صفات اتحاد صوت یا تشابہ آں بیک دیگر لازم آید یا نہ؟ چنانچہ مخرج دال وجیم کہ مختلف است وبچند صفات مثلاً در جہر وشدۃ وانفتاح وانخفاض واصمات وجرس وقلقلہ مشترک اند، وہمچنیں کاف وتائی فوقانیہ مع تخالف مخارج در صفت ہمس وشدۃ وانفتاح وانخفاض واصمات وجرس وسکونت مشترک الصفات۔ پس آیا صوت دال وجیم وہکذا صوت کاف وتائے فوقانیہ متحد ویکساں است یا مختلف ودگرگوں؟

ثانیاً: آنکہ آنچہ اہل تجوید وارباب قرأت فیما بین مخرج ضاد وظاء تخالف وتفارق بیان فرمودہ اند صحیح ودرست است یا نہ؟

ثالثاً: آنکہ حروف مفردۂ تہجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب در بست ونہ حروف منحصر اند یا نہ؟

رابعاً: آنکہ اگر حرفے از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد ومخرجش کدام است؟

خامسًا: آنکہ باوجود تخالف مخارج وتغائر اصوات حروف اگر کسے عمداً در نماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادامیکند مثلاً **و لا الضالین** را **و لا الظالین** بظاء معجمہ می خواند، پس آیا نمازش صحیح ودرست است یا نہ؟ واگر نمازش صحیح است، پس آنچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی در رسالہ الدلیل المحکم در صفحہ ۲۱، ارقام فرمودہ است کہ جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کی جگہ ذال اور حا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور کوئی جائز سمجھتا ہے، ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل ونقل ہے، یہ بات عقل ونقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے، جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے، پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کر لیتے ہیں، مگر شاید عوام فتوؤں کی مہروں کو دیکھ کر چل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا (انتہیٰ) چہ معنی دارد، وقاری ظاء بجائے ضاد عمداً مرتکب کبیرہ است یا نہ؟ واین چنیں تعلیم او کہ بشاگردان خود میدہد از روئے شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب؟ بینوا توجروا۔

ضاد کے بجائے قاری کا عمداً ظاء پڑھنا:

سوال: زید قاری بجائے ''ض'' کے ''ظاء'' خالص عمداً نماز میں ہر جگہ پڑھتا ہے، اس سے معنی اور نماز فاسد ہوجاتی ہے، یا نہیں؟

(۲) ضاد مشابہ بالظاء ضرور ہے، مگر کیا دونوں کی صوتوں میں فرق مسموع ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

الکلی الإجمالی: أما عن الأول:

اتحاد باطل است اجماعاً، وتشابہ نہ لازم است نہ ممتنع، بلکہ تابع دلیل است، و دلیل تشابہ در ضاد با ظاء از ماہرین فن منقول است، نہ در ضاد با دال۔

وعن الثانی: درصحت آں چہ شبہ است۔

وعن الثالث والرابع: بدرجۂ احتمال ہم باطل است، لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامدہ، تاہم ایں محذور در خواندن ضاد بصوت دال مفخم الزم است نہ در خواندنش بصوت ظاء، اگرچہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد، **کما سیأتی.**

وعن الخامس: صحت وفساد صلوٰۃ تابع صحت وفساد معنی است، لیکن معصیت در ہر صورت مشترک وایں حکم مخصوص نیست بتغیر ضاد بظاء معجمہ بلکہ عام است، تغیر ضاد بدال راہم وکلام مولانا محمول است بر معصیت، چنانچہ آں را تحریف نامیدند وتعرض بفساد صلوٰۃ نہ فرمودند وہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست، چنانچہ اگر کسے بجائے ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لاَ رَیْبَ فِیْہِ﴾ بسبب شبہ **ھذا الکتب لاریب** خواند نماز فاسد نہ شود، وایں تغیر ضاد ناشی ست از شبہ، باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن وظیفہ مجتہد ست، وظاہر ست کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است، لیکن ہمچنیں بلا دلیل معصیت را بر کسے چسپانیدن وفاعل تشابہ را فاعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است، بہرحال ضاد حرف مستقل است نہ عین ظاء است نہ عین دال، گو مشابہ الصوت است بظاء، لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز را؛ زیرا کہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی ندارد، مشابہت در متغائرین می باشد پس امتیاز صوت را علماً یا عملاً رفع کردن غلو بیں است، اما ایں امتیاز صوت از کتب مدرک نمی شود، تعلق بسماع از ماہر دارد، من از قراء پانی پت کہ دریں فن از دیگراں امتیاز خاص دارند ایں حرف شنیدہ ام در ادائے شاں صریح امتیاز محسوس می شود، ہم از ظاء وہم از دال ہذا۔

وجواب خامس تتمہ ہم دارد، وآں اینکہ حکم بفساد صلوٰۃ برفتویٰ متاخرین عام نیست، بلکہ مخصوص است بہ قادر بر ادائے صحیح، اما غیر قادر پس نمازش وہمچنیں امامتش صحیح خواں را وغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است، خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاء کہ آں لغت او گشتہ باز در صورت غلط ادا نمودن آیا ترجیح دال مفخم راست کہ اگرچہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاء کہ ممتاز ہم نیست یا ظاء معجمہ راست کہ اگرچہ ممتاز نیست، لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال، ایں کلام دیگر ست ودر ہر دو جانب جماعتے است از اہل علم ''وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا''.

۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور صفحہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۹۳-۲۹۵)

(۳)　ضاد کو اصلی مخرج سے ادا کرتے ہوئے کچھ اطباق زیادہ ہوجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دال مفخم ادا ہوتی ہے، جیسا کہ آج کل تمام قراء عرب وعجم سے مسموع ہوتا ہے، کیا اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

(۴)　ایک شخص کہتا ہے کہ خالص ظاء پڑھنے میں تحریف لازم آتی ہے اور اگر ذرا اطباق ہوجائے تو محض ضاد کی ایک صفت باطل ہوتی ہے، اس کا خیال درست ہے یا نہیں؟

(۵)　ضاد وظاء میں متقدمین کا مسلک احتیاطی ہے، یا متاخرین کا؟

الجواب

مسئلۂ ضاد میں جو اختلافات ہیں، وہ دراصل دو قسم پر منقسم ہیں:

اول یہ کہ مخرج ضاد کیا ہے اور وہ مشابہ ظاء ہے یا دال مہملہ کے مشابہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جو شخص بجائے ضاد کے نماز میں ظاء معجمہ یا دال مہملہ پڑھے، اس کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

دونوں امر کے متعلق مختصراً عرض ہے:

امر اول کے متعلق تو تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور قراء وفقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مخرج ضاد حافہ لسان اور اس کی متصل کی ڈاڑھیں ہیں اور اس کی آواز ظاء معجمہ کی آواز کے مشابہ ہے، دال مہملہ کے مشابہ نہیں، جیسا کہ اکثر کتب قرأت وفقہ میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔

منجملہ ان کی، شیخ مکی اپنے رسالہ ”نهاية القول المفيد في علم التجويد“ صفحہ:۵۸، مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں:

”إن الضاد والظاء المعجمتان اشتركتا جهرًا ورخاوةً واستعلاءً وإطباقاً وافترقتا مخرجًا وانفردت الضاد بالاستطالة. وفي المرعشي نقلاً عن الرعاية ما: أن هذين الحرفين أعني الضاد والظاء متشابهان في السمع ولاتفترق الضادعن الظاء إلا باختلاف المخرج والاستطالة في الضاد ولولاهما لكانت إحداهما عين الأخرى فالضاد أعظم كلفة وأشق على القاري من الظاء ومتى قصر القاري في تجويد الظاء جعلها ضادًا، انتهٰى (۱)

اور امر ثانی کے متعلق مختار للفتویٰ اور احوط یہ ہے کہ ضاد جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے، نہ عین ظاء ہے، نہ عین دال، نہ

---

(۱)　خلاصۂ عبارت:　”ضاد اور ظاء دونوں صفت جہر، رخوۃ، استعلا اور اطباق میں مشترک ہیں، اور مخرج میں الگ ہیں اور ضاد استطالت میں منفرد ہے“۔

اور مرعشی میں رعایہ سے منقول ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ”یہ دونوں حروف یعنی ضاد اور ظاء سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ضاد ظاء سے مختلف نہیں ہے، مگر صرف مخرج میں، اور ضاد میں استطالت کی وجہ سے، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں، تو دونوں بعینہٖ ایک ہوتے، پس ضاد بہ نسبت ظاء کے قاری پر بہت مشکل اور دشوار ہے، اگر قاری ظاء کی تجوید میں کوتاہی کرے، تو اس کو بھی ضاد ہی پڑھنے لگے۔ انتھی (انیس)

ان کے مخرج میں اتحاد ہے اور نہ صرف صوت میں؛ بلکہ صرف مشابہ بالظاء ہے، جس سے خود عینیت کی نفی ہوتی ہے؛ اس لئے بجائے ضاد کے خالص ظاء پڑھنا اور دال مفخم خالص پڑھنا دونوں غلط محض ہیں۔

لیکن اس سے فساد صلوٰۃ کے باب میں یہ تفصیل ہے کہ جو شخص قاری مجود ہے اور صحیح مخرج سے اسے نکال سکتا ہے، اگر وہ عمداً اس کو غلط پڑھتا ہے؛ یعنی ظاء خالص یا دال خالص پڑھتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر عمداً غلطی نہیں کرتا یا ناواقفیت کی وجہ سے اس کو ظاء وضاد میں یا دال مفخم اور ضاد میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا اور اس بنا پر ظا خالص یا دال مفخم پڑھتا ہے، تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی، اگر چہ یہ شخص غلط پڑھنے اور صحیح حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور آج کل عام طور پر یہی صورت درپیش ہے۔ والدليل علىٰ هذه الدعاوی هذه الروايات الفقهية:

فی الذخيرة: أن الحرفين إن كانا من مخرج واحد أو كان بينهما قرب المخرج وأحدهما يبدل بالآخر كان ذكر هذا الحرف كذكر هذا الحرف فلا يوجب فساد الصلاة وكذا إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة نحو أن يأتي بالذال مكان الضاد وأن يأتي بالزاي المحض كان الذال والظاء مكان الضاد لاتفسد عند بعض المشايخ. (۱)

وفی خزانة الروايات: قال القاضی الإمام أبوالحسن والقاضی الإمام أبوعاصم إن تعمد، ذلک تفسد وإن جرىٰ علىٰ لسانه أو لايعرف التميز لا تفسد وهذا أعدل الأقاويل وهو المختار. (۲)

اس تفصیل سے تمام سوالات مذکورہ کا جواب ہوگیا۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم مسمی بہ امداد المفتین: ۲/۳۰۰-۳۰۲)

---

(۱) وعن هذا قلنا إذا قرأ فی صلاته ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ بالكاف، لا تفسد صلاته على مااختاره المشايخ، لأن جماعة العرب يبدلون الكاف عن القاف ومخرجهما واحد والمعنى فی ذلک كله أن الحرفين إذا كانا من مخرج واحد كان بينهما قرب المخرج وأحدهما يبدل عن الآخر كان ذكر هذا الهرف كذكر ذلک الحرف فيكون قرآناً معنى، فلايوجب فساد الصلاة وكذلک إذا لم يكن من الحرفين اتحاد المخرج ولا قربة، إلا أن فيه عموم البلوىٰ نحو أن يأتی بالدال مكان الصاد أو يأتی الزای المحض مكان الذال والطاء مكان الضاد لا تفسد صلاته عند بعض المشايخ ولو قرأ الحمد لله بالخاء لا تفسد صلاته عند بعض المشايخ لأن الحاء والخاء قرب المخرج. (المحيط البرهانی، الفصل الرابع فی كيفيتهما: ۱/۳۱۹، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب إذا قرأ قوله" تعالىٰ جدک" بدون ألف لا تفسد: ۱/۶۳۳، انيس

خلاصۂ عبارت: اور میری باتوں پر دلیل یہ فقہی عبارات ہیں: ذخیرہ میں ہے کہ دو حرف اگر ایک ہی مخرج کے ہوں، یا دونوں قریب المخرج ہوں، اور ان میں سے ایک دوسرے سے بدل جاتا ہو، تو ایک حرف کا ذکر دوسرے حرف کی طرح ہوگا اور اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دو حرفوں کے مابین اتحاد مخرج نہ ہو، نہ ہی قرب مخرج ہو، مگر اس میں عموم بلوی ہو، جیسے کہ ضاد کی جگہ ذال پڑھ دے یا ذال اور ظاء کی جگہ محض زاء ہی پڑھے، تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور خزانۃ الروایات میں ہے کہ: قاضی امام ابوالحسن اور قاضی امام ابوعاصم فرماتے ہیں کہ! اگر ایسا بالقصد کیا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر یونہی زبان پر جاری ہو جائے یا دونوں میں امتیاز نہ کر سکے تو فاسد نہ ہوگی اور یہی مناسب بات ہے اور پسندیدہ بھی ہے۔ واللہ اعلم (انیس)

(۳) اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "رفع التضاد عن أحكام الضاد" میں مذکور ہے۔ محمد شفیع

''ضاد'' کو''ظاء'' پڑھنا کیسا ہے:

سوال(۱): ''ضاد'' کو''ظا'' پڑھنا نماز میں کیسا ہے:

''ضاد'' کو درمیانی مخرج سے پڑھنے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں:

(۲)　بکر آمین بالجہر اور رفع یدین نہیں کرتا اور مذہب حنفیہ کا پورا پابند ہے، مگر ''الحمد'' کو سات آیتیں پڑھتا ہے اور حرف 'ضاد' کو اس طرح پڑھتا ہے کہ نہ 'دال' ظاہر ہو، نہ 'ظا'۔ کیا ایسے امام کی اقتدا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱)　جو شخص مخرج سے پڑھنے پر قادر ہو، وہ مخرج سے ادا کرے، ورنہ قصداً ''ظاء'' نہ پڑھے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، شرح فقہ اکبر میں بعض روایات میں بالقصد پڑھنے میں حکم کفر نقل فرمایا ہے۔(۱)

(۲)　امام جماعت کو ایسے امور میں احتیاط کرنی چاہئے، کیا ضرورت ہے کہ وہ عامہ علماء احناف کے خلاف ایسا امر اختیار کرتا ہے، جس سے عام نمازیوں میں تشویش ہو؟ کیا اس کے نزدیک ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی، جو اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر وقف نہیں کرتے؟ یا 'ضاد' کو 'ظاء' نہیں پڑھتے؟ اگر ایسا خیال ہے تو گویا خواص وعوام اہل اسلام عرب وعجم کی نمازوں کو وہ باطل سمجھتا ہے اور بطلان ایسا عقیدہ اور خیال کا ظاہر ہے، آخر کیسے کیسے علماء محققین حنفیہ میں گذرے ہیں، کیا امام مذکور اپنی تحقیق کو ان سب سے زیادہ سمجھتا ہے، جو اپنی تحقیق کے سامنے کسی کی نہیں سنتا اور سب کے خلاف اپنی رائے کو قابل اعتماد اور صواب سمجھتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۶۱-۲۶۲) ☆

(۱)　وفي المحيط: سئل الإمام الفضلي عمن يقرأ الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة أو يقرأ أصحاب الجنة مكان أصحاب النار أو على العكس فقال: لا تجوز إمامته و لو تعمد يكفر ،قلت: أما كون تعمده كفرًا فلا كلام فيه إذا لم يكن فيه لغتان(ففي ضنين الخلاف،سامی. و أما تبديل الظاء مكان الضاد ففيه تفصيل. (منح الروض الأزهر في شرح فقه أكبر: ۲۰۵ ، ظفير(فصل في القراءة و الصلاة:۴۵۷،انيس)

بحالت مجبوری''ضاد'' کو''دُواد'' پڑھنا:

سوال:　چند اشخاص حرف (ض) دُوآد، قرآن شریف میں پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم قرآن شریف میں (دوآد) پڑھتے ہو، تو عربی لفظ جو بزبان اردو بولتے ہو، تو وضو کو (ودو) کیوں نہیں کہتے اور ضیاء الدین کو (دیاء الدین) کیوں نہیں کہتے، یہ بھی تو عربی لفظ ہیں، تو قرآن شریف میں (زوآد) کا پڑھنا صحیح ہے یا (دوآد) پڑھنا چاہیے۔ زیادہ والسلام

راقم احقر العباد عماد حمایت اللہ ساکن ایٹہ پڑگنہ پٹیالی معرفت جناب عبد العلیم خاں صاحب بھونگامی۔ فقط

الجواب

اصل حرف ضاد ہے، اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے، (إذ واجب عليهم محتم ــ قبل الشروع أولا أن يعلموا. ==

ضاد کی آواز کی مشابہت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وقراء عظام دریں مسئلہ کہ لفظ ضاد کی آواز کن حروف کے مشابہ ہے اور اس کا مخرج کیا ہے؟ صحیح کتب سے باسناد و باحوالہ جواب عنایت فرماویں؟

الجواب

جمال القرآن مصنفہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی میں ہے:

''مخرج نمبر۸، ض کا مخرج ہے اور وہ حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ دائیں یا بائیں سے نکلتا ہے، جب کہ اضراس علیا؛ یعنی زبان اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑوں سے لگاویں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے، مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں، اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں، اس لئے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے، اس حرف کو دال پر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے، ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہئے، یہ بالکل غلط ہے، اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے، البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے، دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی، علم تجوید وقرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے''۔

اور تفسیر عزیزی، ص:۳۷ (سورۃ التکویر) پر ہے:

''وفرق درمیان مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است، اگر خوانندگان ایں دیار ہر دو را یکساں برآرند نہ در مقام ضاد ظاء میشود نہ در مقام ظاء ضاد، مخرج ایں ہر دو حرف را جدا جدا شناختن قاری قرآن را ضرور است'' الخ۔(۱)

== مخارج الحروف والصفات ـــ ليلفظوا بأفصح اللغات.(المقدمة الجزرية، المقدمة: ۱/۷-۸، دار المغني للنشر والتوزيع. انیس) اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح: خلیل احمد مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: عنایت الٰہی عفی عنہ مدرس مدرسہ سہانپور۔ الجواب صحیح: غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح: احقر الزماں گل محمد خان مدرس مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ محمود عفی عنہ۔ الجواب صحیح: اشرف علی عفی عنہ۔ (تالیفات رشیدیہ:۲۷۲)

(۱) یعنی تفسیر عزیزی میں سورۂ تکویر کی تفسیر میں ہے کہ ''حرف ضاد اور ظاء کے مخرج میں فرق بہت مشکل ہے، اگر اس علاقہ کے لوگ دونوں کو یکساں ادا کرتے ہیں، نہ ضاد کی جگہ ظاء ہوتا ہے، نہ ظاء کی جگہ ضاد، ان دونوں حرفوں کے مخرج کو الگ الگ پہچاننا ہر قاری قرآن کے لئے ضروری ہے۔ انیس

اور جہد المقل میں ہے:

''الضاد والظاء والذال المعجمات الكل متشاركة فى الجهر والرخاوة ومتشابهة فى السمع (وأيضًافيه): ويشبه صوتها(أى صوت الضاد المعجمة)صوت الظاء المعجمة بالضرورة''. (مجموعة الفتاوىٰ: ۳۷/۲،مطبع شوكت إسلامية)(۱)

اور شعلہ شرح شاطبی میں ہے:

''إن هذه الثلٰث (أى الضاد والظاء والذال) متشابهة فى السمع والضاد لا تفترق من الظاء إلا باختلاف المخرج وزيادة استطالة فى الضاد ولولاهما لكانت إحداهما عين الأخرىٰ''. (مجموعة الفتاوىٰ: ۳۷/۲،مطبع شوكت إسلامية)(۲)

اس مسئلہ کی مزید تفصیل مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنویؒ اوراحسن الفتاویٰ مولانا رشید احمد ... اور تفسیر مواهب الرحمٰن تحت آية ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنَ﴾ (سورة التكوير: ۲٤)(۳) میں ملاحظہ فرمالیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۸۹۸/۱-۸۹۹) ☆

---

(۱) مجموعة الفتاوىٰ: ۲۵۱/۱،ایچ ایم،سعید

وظاهر من الأبحاث السابقة بيان الفرق بين الضاد والظاء والذال المعجمات الكل متشاركة فى الجهر والرخاوة ومتشابهة فى السمع لكن الأخريين من مخرج واحد والضاد ليس من مخرجهما. (جهدالمقل،بيان الفرق بين حروف الصفير :۱٦۷-۱٦۸،دار عمار،انیس)

(۲) مجموعة الفتاوىٰ: ۲۵۱/۱،ایچ ایم،سعید (السعاية شرح الشاطبية)

(۳) تالیفات رشیدیہ: ۲۸۸-۲۸۹

هناک قراء تان في قوله تعالى: ﴿وَما هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾القراء ة الأولى بالضاد والثانية بالظاء أي: وَما هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ أي: بمتهم وقد فرق عامة المفسرين بين كلمتي (الضنين) و (الظنين) ?ما رأينا، وقال سفيان بن عيينة: ظنين وضنين سواء، وعلى هذا القول فهناک صلة بين البخل والتهمة، فلا محمد صلى الله عليه وسلم متهما في أمر البلاغ، ولا بخيلا به. (الأساس فى التفسير: ٦۳۹۹/۱۱،دار السلام،انیس)

بالضاد بمعنى أنه غير بخيل عليهم بتعليمهم ما علمه الله وأنزل إليه من كتابه قرأ ذلک بعض المكيين وبعض البصريين بظنين بالظاء بمعنى أنه غير متهم فيما يخبرهم عن الله من الأنبياء ذكر من قال ذلک بالضاد وتأوله على ما وصفنا من التأويل من أهل التأويل: ... عن زر ﴿ما هو على الغيب بظنين﴾قال: الظنين المتهم وفى قرأتكم ﴿بضنين﴾والضنين البخيل والغيب القرآن. (تفسير الطبرى،تفسير سورة التكوير: ۱٦۷/۲٤،دارهجر/وكذا فى معانى القرآن واعرابه للزجاج :۲۹۳/۵،عالم الكتب بيروت/تفسير الرازى،تفسير سورة التكوير: ۷۰/۳۱،داراحياء التراث العربى بيروت/تفسير القرطبى، سورة التكوير: ۲٤۲/۱۹،دارالكتب المصريةالقاهرة،انیس)

حرف لین میں مد کے سلسلہ میں "تنشیط الطبع"اور"وجوه المثاني"کی عبارت پرشبہ کا جواب:

سوال: رسالہ "تنشیط الطبع"اور"وجوه المثاني" کے متعلق ایک طالب علم کی تحریر آئی، "تنشیط الطبع" اور"وجوه المثاني"میں مجھے کچھ شبہ ہے، وہ یہ کہ "تنشیط الطبع" ص: ۷، یائی مقدم اور لین مؤخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتحہ ہو تو لین میں طول ہوگا، حالانکہ غيث النفع، ص: ۵۱ پر ﴿وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا﴾ کے تحت میں یوں لکھا ہے: يأتي على الفتح في عسى التوسط والطويل في شيء ويأتيان أيضًا على التقليل. (۱)اوروجوه المثاني، ص: ۱۶۸، باب الهمزتين من كلمة میں یہ لکھا ہے: ہمزۂ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو، تو قالون وبصری کے لئے ادخال الف ہوگا، حالانکہ شاطبیؒ نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے، جیسے کہ!"ومدک قبل الفتح والكسر حجة ☆ بها لذ وقبل الكسر خلف له ولا"فرمایا ہے۔(شرح ابن القاصح ص:۶۱)(۲)فقط

جواب یہ دیا گیا:

"کتاب مقدم ہے، یاد، یا سرسری مطالعہ پر، دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے، اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کردیں اور مطلب غيث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ! اگر ہمزۂ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصری وقالون وہشام جن کے ناموں کی طرف حا و با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے، اس کے اور ہمزۂ اولیٰ کے درمیان میں بقدر ایک الف کے مد کرتے ہیں، مگر ہشام سے خاص ہمزۂ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک مد بھی مروی ہے"۔

۲/رجب یوم جمعہ ۱۳۳۴ھ۔(ترجیح رابع، صفحہ:۷۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۳-۳۱۴)

جمال القرآن کے بعض عبارتوں کی اصلاح اور زینۃ القاری کی عبارت سے ظاہری تعارض کا ازالہ:

سوال: جمال القرآن، صفحہ: ۲۰، قاعدہ: ۴۵ میں لکھا ہے: "نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر، الخ"۔ پس اگر باء کو میم سے بدل دیا جاوے، تو من بعد سے من معد ہو جاوے گا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں ایسا ہوگا؛ یعنی من بعد سے مم بعد ہو جائے گا، آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے، یا میری کم فہمی کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟

(۱) غيث النفع في القراء ات السبع، المدغم: ۱۰۸، رقم القاعدة: ۲۱۳، دار الكتب العلمية. انيس

(۲) الوافي شرح الشاطبية، باب الهمزتين من كلمة: ۸۸، رقم القاعدة: ۱۹۶، مكتبة الصوادى للتوزيع. انيس

الجواب

واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی، یوں لکھنا چاہئے تھا کہ ''اس نون کو میم سے بدل کر''۔
ربیع الاول ۱۳۳۵ھ۔(ترجیح خامس،ص:۶)

سوال: گزارش یہ ہے کہ احقر نے رسالہ زینت القاری اردو کا مطالعہ کیا،بعض مضامین رسالہ جمال القرآن کے خلاف پائے،لہذا جناب والا سے استفسار کرتا ہوں،امید کہ جواب شافی سے ممنون فرماویں گے؟

فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں،چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دوتین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جاویں،لہذا باقی سوال آئندہ ان شاءاللہ ارسال کروں گا۔

الجواب

السلام علیکم! چونکہ فن قرأت کے متعلق سوالات تھے؛اس لئے میں نے جواب کیلئے قاری محمد یامین صاحب مدرس مدرسہ ہذا کے سپرد کردئے،چنانچہ ذیل میں منقول ہیں:

سوال(۱) جمال القرآن میں لحن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیااور لحن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ! حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں،ان کے خلاف پڑھنا۔(صفحہ:۳-۴ لمعہ:۲)اور زینت القاری میں صورت مذکورہ کو لحن جلی میں نہیں لکھا؛ بلکہ یہ لکھا ہے کہ لحن جلی... کہتے ہیں،اعراب چوکنے کو یا لفظ میں اس کے اصل سے کچھ زیادہ کم کرنے کو اور لحن خفی کہتے ہیں،حرف کے مخرج چھوڑنے کو اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہو،انتہی۔(ص:۱۰،مطبوعہ مجیدی کان پور)

پھر بعض مشتبہ الصوت حرف کی مثالیں لکھی ہیں،پس مشتبہ الصوت میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے جمال القرآن کے مطابق لحن جلی ہوگا اور زینت القاری کے مطابق خفی اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لحن نہیں لکھا،سو محقق امر سے مطلع فرماویں؟

الجواب

یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی،جس کے مؤید وموافق علماء اکابر وسلف معتبرین کے اقوال ہوں،اس بنا پر **جمال القرآن** کا قول محقق و درست معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ملاعلی قاری شارح مقدمۃ الجزریہ اور مرعشی صاحب **جهد المقل** یہ دونوں حضرات فن تجوید وقرأت کے بڑے محقق و ماہر و مستند و عالم اور مسلم ہیں،ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لحن جلی وخفی کے متعلق **نهاية القول المفيد في علم التجويد** مطبوعہ مصر (کہ فن تجوید میں بہتر تصنیف ہے اور مقبول ومتداول بین القراء والمجودین ہے)صفحہ:۲۲ میں اس طرح منقول ہے:

وهو (أي اللحن) نوعان: جلي وخفي ولكل واحد منهما حد يخصه وحقيقة يمتاز بها عن

صاحبه،فأما الجلي فهو خطأ يطرأ على الألفاظ فيخل بالعرف أعني عرف القراء وسواء أخل بالمعنى أم لم يخل وإنما سمي جليا لأنه يخل إخلالا ظاهرًا يشترك في معرفته علماء القراءة وغيرهم وهو يكون في المبنى أو الحركة أو السكون والمراد من المبنى حروف الكلمة،ومن الخطأ فيه تبديل حرف بآخر كتبديل الطاء دالا بترك إطباقها واستعلائها أو تاء بتركهما و بإعطائها همسًا،وأما اللحن الخفي فهو خطأ يطرأ على اللفظ فيخل بالعرف ولا يخل بالمعنى و إنما سمي خفيًا لأنه يختص بمعرفته علماء القراءة وأهل الأداء وهو يكون في صفات الحروف كذا أطلق لكن ينبغي أن يقيد الخطأ بما لا يؤدي إلٰى تبديل حرف بآخر كترك الادغام وأما إذا أدى إليه كترك الإطباق في الطاء وترك استعلائها فهو من اللحن الجلي.

پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے جمال القرآن کی مدلول کے، دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین جمال القرآن وزینت القاری کچھ تعارض نہیں؛ کیوں کہ زینت القاری میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں اور ایک چھوٹ گئی، سوا ایک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہوسکتا اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینت القاری مولانا کرامت علی صاحب جونپوری اپنے دوسرے رسالہ شرح ہندی جزری میں جمال القرآن کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ص:۲۴ پر لکھتے ہیں: دوسرا طور یہ کہ معنے نہیں بدلتا، جیسے باریک کو پُر کیا، یا پُر کو باریک، یا اظہار کی مقام میں ادغام کیا، یا اخفاء کیا، اس کو لحن خفی کہتے ہیں، اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے، مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبی ودلچسپی کو کھودیتی ہے۔

سوال: (۲)　　جمال القرآن میں ل، ن، ر، کو زلقیہ اور ظ، ذ، ث، کو لثویہ لکھا ہے، (ص:۹، لمعہ:۴) اور زینت القاری میں لکھا ہے! حروف زلقیہ؛ یعنی جو زبان کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں: ظ، ذ، ث، او رلثویہ؛ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں: ل، ر، ن۔انتہی (ص:۷ و ص:۱۸) یہ بالکل عکس ہے، سو کونسی بات ٹھیک ہے، تحریر فرمایا جاوے؟

الجواب

جمال القرآن کا قول ٹھیک ہے؛ کیوں کہ فن تجوید وقرأت کتب متداولہ مذکورہ وشرح **ملا علي القاري على المقدمة الجزرية المسمى بالمنح الفكرية** دیگر کتب مستندہ زینت القاری کی موافقت نہیں کرتی، غالبًا ناسخین کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے اور جمال القرآن کا قول تمام کتب تجوید کے موافق ہے، **فظهر الأمر للمقدمة المذكورة.**

سوال: جمال القرآن میں راء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہئے، اگر چہ اس پر تشدید بھی ہو، الخ۔(ص:۱۷، لمعہ:۵) اور زینت القاری میں لکھا ہے: رکو ایسا ادا کرے کہ اس کی صفت تکرار کی نہ جاتی رہے، پُر بھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے، خاص کر جب مشدد ہو۔(ص:۱۲)

یہ تو صریح تعارض ہے، امید کہ جواب شافی سے جلد مشرف فرمائیں گے؛ تاکہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کرسکوں؟

الجواب

جمال القرآن کا قول محقق ہے۔

کما قال المحقق ملا علی فی المنح الفکریة علی المقدمة الجزریة المطبوعة فی مصر، ص: ۲۳، ما نصه: فی شرح قول المتین وبتکریر جعل والمعنی أن الراء یوصف بالتکرار أیضًا کما وصف بالانحراف والتکرار إعادة الشیء وأقله مرة علی الصحیح ومعنی قولهم أن الراء مکرر هو أن الراء له قبول التکرار لارتعاد طرف اللسان به عند تلفظه کقولهم لغیر الضاحک إنسان ضاحک یعنی أنه قابل للضحک وفی الجعل إشارة إلٰی ذلک ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسه من شبه ترديد اللسان فی مخرجه وأما قوله ولذلک جری مجری حرفین فی أحکام متعددة فلیس کذلک بل تکریره لحن فیجب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به وهذا کمعرفة السحر لیجتنب عن تضرره ولیعرف وجه رفعه قال الجعبری وطریقة السلامة أن یلصق اللافظ ظهر لسانه بأعلٰی حنکه لصقًا محکمًا مرة واحدة ومتی ارتعد حدث فی کل مرة راء قال مکی لابد فی القراءة من إخفاء التکریر وقال: واجب علی القاری أن یخفی تکریره ومتی أظهر فقد جعل من الحرف المشدد حرفا ومن المخفف حرفین، انتهٰی واللّٰہ تعالٰی أعلم

(ترجیح خامس، ص: ۱۰۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۳۷-۳۴۰)

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب، جواب سوالات بر جمال القرآن:

سوال (۱) جمال القرآن میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا، معلوم نہیں مطبع کی غلطی ہے، یا سمجھ ناقص، خویدم کی ص: ۴۳-۴۴، قاعدہ: ۷ لَئِنْ ۔ بَسَطْتَّ اور أَحَطْتَّ اور فَرَّطْتُّمْ. أَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں، الخ۔ (ص: ۴۷) تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام ناتمام متعین اور پانچویں، الخ، اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ص: ۴۳-۴۴ پر کل صرف ۴ ہی لفظ ہیں، پس چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے، کیا مطلب ہے؟

(۲) مخرج ض میں حافہ لسان کو مجموعہ بیسوں اضراس سے ملانا چاہئے، یا ضواحک وطواحن ونواجذ میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافہ لسان کافی ہے۔

الجواب

جواب شبہ اول: صفحہ: ۴۳-۴۴، قاعدہ: ۷ میں غالباً مطبع کی غلطی سے مَا فَرَّطْتُّمْ کے بعد (اور مَا فَرَّطْتُ)

رہ گیا ہے، پس لفظ مذکور ملا کر چار لفظ ہوگئے کہ ان میں ادغام ناتمام متعین ہے اور اَ لَمْ نَخْلُقْكُمْ پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم:　ضاد کے مخرج میں حافہ لسان کے اوپر کی پانچوں ڈاڑھوں (ضاحک اور ہر سہ طواحن اور ناجذ داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے، صرف ایک دو کے ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے۔

۲۷/ شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۹۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۲۶/۱)

جمال القرآن میں حروف مذلقہ ومصمتہ کی تحقیق:

سوال:　بفضلہ تعالیٰ جمال القرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا ہوں اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہو جاوے گا۔

جمال القرآن کے ص: ۱۵ صفت: ۱۰ میں ارقام ہے کہ! ''مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے اور مذلقہ کے سواسب حروف مصمتہ ہیں''۔

معروض یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا، حالانکہ اوپر ص: ۹ میں مرقوم ہے کہ! ''مخرج ۱۳، طاء اور ذال اور ثاء کا ہے اور وہ زبان کا کنارہ اور ثنایا علیا کا سرا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخرج: ۱۳ میں زبان کے کنارے کا دخل ہے، حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں نہ مذلقہ، حضرتنا یہ میرا شبہ صحیح ہے یا غلط، میری اصلاح فرمادیں؟

الجواب

مجھ کو اس فن کے مسائل متحضر نہیں، کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا، اب کسی ماہر سے مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔(۱)

(ترجیح خامس، ص: ۸۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۴۲/۱)

سورۂ فاتحہ میں دونوں جگہ لفظ الصراط کے پڑھنے کی تحقیق:

سوال:　احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کر رہا تھا، ایک مقام میں شک واقع ہوا، فدوی نے اس مقام کو وجوہ

(۱)　سائل کا شبہ صحیح ہے، جمال القرآن میں صفت اصمات کے بیان میں تسامح ہوا تھا، بعد میں اصلاح کر دی گئی ہے، اب جمال القرآن کی عبارت اس طرح ہے: ''مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے اور مذلقہ کے سواسب حروف مصمتہ ہیں۔ (جمال، ص: ۱۵) سعید احمد پالنپوری

المثانی میں نکال کر دیکھا، لیکن اطمینان نہیں ہوا، اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جواب تحریر فرمادیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے۔

شک یہ ہے!

مطلب عبارت تیسیر:

الصراط میں خلف الصاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں اور خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں۔

مطلب عبارت **وجوہ المثانی**:

الصراط میں صاد کو خلف باشمام الزائے پڑھتے ہیں اور قنبل بالسین اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلاد بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں، حالانکہ خلاد خاص کر اس میں اشمام بالزائے کرتے ہیں؛ یعنی سورۂ فاتحہ میں، امید کہ حضور جواب باصواب سے معزز وممتاز فرمائیں گے۔

الجواب

میں نے مکررہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے، اس وقت میں نے اس کی طرف مراجعت کی، معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا، اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے، چنانچہ میرے رسالہ تنشیط میں تیسیر کے موافق ہے، اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں:

قوله تعالیٰ: الصراط الأول المعروف فيه قرأتان الأولیٰ بالإشمام وهو أن ينطق القارى بحرف متولد بين الصاد والزاء لحمزة والثانية بالسين لقنبل كجميع القرآن والثالثة بالصاد الخالصة للباقين كالجميع، قوله تعالیٰ صراط الثانى المنكر فيه قرأتان الأولیٰ بالإشمام لخلف كجميع القرآن والثانية بالسين لقنبل كما ذكر والثالثة بالصاد الخالصة للباقين (ومنهم خلاد).

اگر اس عبارت میں بھی شبہ ہو تو میں زیادہ غور کر کے مکرر درست کردوں، اگر شبہ نہ ہو تو حاجت جواب نہیں۔

مکرر آنکہ سوال کی عبارت قابل توضیح ہے، اس طرح قولہ ''خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں'' الخ، یہ اس طرح ہونا چاہئے!''خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ کے لفظ الصراط بلام التعریف میں'' الخ، وکذا قولہ ''حالانکہ خلاد خاص کر اس میں الی قولہ یعنی سورۂ فاتحہ میں'' الخ، یہ اس طرح ہونا چاہئے ''خاص کر اس میں یعنی سورۂ فاتحہ کے الصراط اول میں''۔

۲۴/رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس،ص:۲۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۳۴۰/۱-۳۴۲)

رسالۃ الإرشاد إلٰی مخرج الضاد ــــ لفظ ضاد کی تحقیق:

سوال: لفظ ضاد کو ڈواد پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں، اور یہ ظاء سے مشابہت رکھتا ہے، یا دال سے، یا ڈال سے؟ **بینوا بالدلیل آجرکم اللّٰہ الجلیل**

الجواب ــــــــــ ومنہ الصدق والصّواب

ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز نہ ہوگی؛ کیوں کہ ڈال عربی زبان کا حرف نہیں، ضاد کی مشابہت دال یا ڈال سے بالکل نہیں؛ کیوں کہ ضاد حروف رخوہ میں سے ہے، جن میں جریان صورت لازم ہے اور دال حروف شدیدہ سے ہے، جن میں جریان صوت ممکن ہی نہیں، دنیا بھر میں کوئی شخص بھی ضاد کو دال سے مشابہت دے کر اس میں جریان صوت نہیں کرسکتا، علم تجوید کے اصول کے مطابق یہی ایک دلیل کافی ہے، جس کا جواب قیام قیامت تک ممکن نہیں، اس اصولی دلیل کے بعد دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں، کسی میں طاقت ہے تو دال میں جریان صوت کرکے دکھلائے، **ودونہ خرط القتاد**، اس کے باوجود چند ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ ضاد کو ظاء سے مشابہت ہے۔

(۱) علم تجوید کی جملہ کتب میں ہے: "**لو لا الاستطالۃ لکان الضاد عین الظاء**".

(۲) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔

قال فی الخانیۃ: وإن ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاتہ عند الکل وإن کان لایمکن الفصل بین الحرفین إلا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیہ قال أکثرھم لا تفسد صلاتہ. (۱)

وفی شرح التنویر: إلا ما یشق تمییزہ کالضاد والظاء فأکثرھم لم یفسدھا. (الدرالمختار: ۵۹۲/۱)(۲)

(۳) صاحب اتقان ودیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ! "**وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ إِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ**"، میں صنعت تجنیس ہے، (۳) اور یہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہوں۔

---

(۱) الفتاویٰ الخانیۃ علٰی ھامش الھندیۃ: ۱۴۱/۱۔

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب إذا قرأ قولہ "تعالٰی جدک"، انیس

(۳) والتجنیس أن یتفق اللفظ وتختلف المعنی ولا یکون أحدھما حقیقۃ والآخر مجازاً بل یکون حقیقتین،... ومنھا اللفظی: بأن یختلفا بحرف مناسب للآخر مناسبۃ لفظیۃ کالضاد والظاء کقولہ: "وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ إِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ". (الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والخمسون: ۳۱۰/۳، الھیئۃ المصریۃ. انیس)

(۴) ضاد اور ظاء میں فرق مشکل ہونے کی وجہ سے علما نے لکھا ہے کہ ان میں فرق کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، جزری میں ایسے الفاظ جن میں ضاد اور ظاء ہیں جمع کر کے فرق کرنے کی تاکید کی ہے، مقامات میں بھی اس قسم کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔(۱)

امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ!''فرق درمیان ضاد وظاء بجا آورد اگرنتواند روا باشد''۔

اور احیاء العلوم میں ہے:

''ويجتهد فى الفرق بين الضاد والظاء''.(۲)

(۵) قرآن مجید میں اختلاف قرأت کی وجہ سے اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھا جاتا ہے تو عموماً یہ دونوں حرف متشابہ الصوت ہوتے ہیں۔مثلاً ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں صاد کی بجائے سین کی قرأت بھی ہے۔ایسے ہی ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنَ﴾ میں ظاء کی قرأت بھی ہے،جس سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہیں۔

(۶) کلام عرب میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ ان میں ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے معنیٰ نہیں بدلتے۔

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ: وقد جمع بعضهم الألفاظ التى لايختلف معناها ضادًا وظاءً فى رسالة صغيرة ولقد أحسن بذٰلك فليراجع فإنّه مهم.(روح المعانى: ۶۱/۳۰)(۳)

(۷) متقدمین کے ہاں ضاد اور ظاء کا رسم الخط بھی تقریباً ایک ہی جیسا تھا۔

كما نقل الآلوسى رحمه الله تعالىٰ عن أبى عبيدة: أن الظاء والضاد فى الخط القديم لا يختلفان إلا بزيادة رأس أحدهما على الأخرىٰ زيادة يسيرة قد تشتبه.(روح المعانى: ۶۱/۳۰)(۴)

(۸) اردو، سندھی، فارسی، پنجابی، انگریزی غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں ضاد کو ظاء سے مشابہ؛ بلکہ عین ظاء پڑھتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲؍صفر سنہ ۱۳۷۴ھ۔

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ ضاد ظاء سے مشابہ ہے یا کہ دال سے؟ مولوی۔۔۔نے ایک تحریر میں لکھا ہے کہ! ضاد کی مشابہت ظاء سے نہیں، مدلل بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(۱) مقامات الحريرى،المقامات الحلبية: ۵۰۴/۱،مطبعةالمعارف بيروت.انيس

(۲) إحياء علوم الدين،السجود: ۱۵۴/۱،دارالمعرفة.انيس

(۳-۴) تفسير قوله تعالىٰ:﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنَ﴾،انيس

الجواب ــــــــــــــــ ومنہ الصدق والصّواب

ضاد کی مشابہت ظاء سے ہے، کتب صرف، تجوید، تفسیر، فقہ اور فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں، بعض کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شافیہ (۲) رضی (۳) جاربردی (۴) فصول اکبری (۵) جزریہ (۶) شرح جزریہ (۷) منہاج (۸) نشر (۹) طیبۃ النشر (۱۰) تمہید (۱۱) رشحہ فیض (۱۲) شاطبیہ (۱۳) شرح قصیدہ امنیہ (۱۴) جہد المقل (۱۵) منہیۂ جہد (۱۶) رعایہ (۱۷) تفسیر کبیر (۱۸) اتقان (۱۹) کشاف (۲۰) عزیزی (۲۱) حسینی (۲۲) بیضاوی (۲۳) حاشیہ بیضاوی (۲۴) تفسیر المنار (۲۵) روح المعانی (۲۶) برہان (۲۷) تجنیس (۲۸) خلاصۃ الفتاویٰ (۲۹) خزانۃ المفتین (۳۰) خزانہ اکمل (۳۱) حلیہ (۳۲) فتاوی نقشبندیہ (۳۳) عتابیہ (۳۴) تاتارخانیہ (۳۵) خزانۃ الروایات (۳۶) رسائل الارکان (۳۷) تہذیب (۳۸) جامع الروایات (۳۹) مفتاح الصلوٰۃ (۴۰) محاسن العمل (۴۱) البیان الجزیل (۴۲) احیاء العلوم (۴۳) کیمیائے سعادت (۴۴) زاد الآخرۃ (۴۵) فتاویٰ برہنہ (۴۶) مختار الفتاوی (۴۷) سمرقندی (۴۸) مجموعہ سلطانی (۴۹) بغیۃ المرتاد (۵۰) میزان (۵۱) حروف الہجاء (۵۲) وجیز کردری (۵۳) رسالہ نجم الدین (۵۴) ذخیرہ (۵۵) منیہ (۵۶) کبیری (۵۷) بزازیہ (۵۸) خانیہ (۵۹) عالمگیریہ (۶۰) خیریہ (۶۱) فتح القدیر (۶۲) درمختار (۶۳) طحطاوی (۶۴) ردالمحتار۔

چندروز ہوئے، میرے پاس ایک صاحب مولوی۔۔۔کا فتویٰ لائے تھے، اس میں جس قدر عبارات ہیں، وہ سب ہمارے مسلک کی مؤید ہیں۔

ص:۱، پر تفسیر السراج المنیر کی عبارت ہے کہ ضاد اور ظاء میں فرق کرنے کے لیے محنت کرنا ضروری ہے، اگر ان دونوں حرفوں میں تشابہ نہیں تو فرق کرنے کے لیے محنت کی کیا ضرورت؟ اسی عبارت کے آخر میں ہے:

فإن أكثر العجم لايفرقون بين الحرفين. (۱)

اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے:

إن أكثر الناس خصوصًا العجم كانوا في الزمان الأول لايعلمون الفرق بينهما. (مجموعہ الفتاویٰ:۳۴/۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلاف ضاد کو ظاء پڑھتے تھے، یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلاف دال پڑھتے آئے ہیں، غلط ہے، اس کے بعد جزریہ کی عبارت پیش کی ہے، اس میں بھی یہی ہے کہ ضاد اور ظاء میں تمییز ضروری ہے، یہ بھی تشابہ کو مستلزم ہے۔

(۱) السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير، سورة الانفطار: ٤٩٥/٤، بولاق

ص:۲، پرشامیہ کی عبارت ہے کہ ضاد ضعیفہ قبیح ہے، سو ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

بعدازاں شرح فقہ اکبر اور جامع الفصولین کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا جائز نہیں اور عمداً پڑھنا کفر ہے، ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ بلاعذر پڑھنا جائز نہیں۔

ص:۳، پرردالمحتار کی عبارت ہے:

إن جرى علٰى لسانه أو لايعرف التمييز لا تفسد،وهو المختار .وفي البزازية:وهو أعدل الأقاويل وهو المختار. (۱)

اور کتاب الاذکار للنووی کی عبارت ہے:

ولو قال ولا الضالين بالظاء بطلت صلاته،علٰى أرجح الوجهين إلا أن يعجز عن الضاد بعد التعلم فيعذر. (۲)

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضاد کے حقیقی مخرج پر عدم قدرت کی وجہ سے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا جائز ہے، ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

غرضیکہ تحریر مذکور من اولہ الی آخرہ ہماری مؤید ہے، اس میں ضاد کی بجائے دال پڑھنے کے بارے میں ایک جزئیہ بھی نہیں، بوقت عذر ظاء پڑھنے کے بارے میں عبارتیں ہیں، محرر نے ان عبارتوں کو تشابہ بالظاء کی تردید اور تشابہ بالدال کی تائید میں پیش کیا ہے؛ مگر حقیقت برعکس ہے۔

وكم من عائب قولاً صحيحًا　　وآفته من الفهم السقيم (۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (۱۴/شوال ۱۳۷۴ھ)

سوال مثل بالا:

سوال (۱) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی، شامیہ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ متشابہ حروف میں سے ایک کو دوسرے کی بجائے پڑھنے سے باوجود تغیر معنیٰ کے نماز کا عدم فساد متاخرین کا مذہب ہے اور شامیہ نے مذہب متقدمین کو ترجیح دی ہے اور احوط کہا ہے۔

(۱)　ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب إذا قرأ قوله"وتعالٰى جدك" بدون ألف لا تفسد: ۶۳۳/۱،انيس

(۲)　الأذكار للنووي،باب القراءة بعد التعوذ،ص:۳۸،انيس

(۳)　مناهل العرفان في علوم القرآن،دفع الشبهات عن الوحي،ص: ۷۱،انيس

(۲) اگر فساد وعدم فساد کی بناء تشابہ حروف وعدم تشابہ پر رکھی جائے تو غیر المغظوب پڑھنے سے عدم فساد اور و لا الدّالین پڑھنے سے فساد کا حکم ہونا چاہیے تھا، حالانکہ کبیری وغیرہ میں حکم برعکس لکھا ہے۔

(۳) ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح عبارت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں؛ کیوں کہ بعض قراء کو جب کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ضاد پڑھتے ہیں، مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے، یہ عجیب توجیہ ہے، کیا ان کی نماز ہوجائے گی؟

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

(۱) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منیہ سے ضابطۂ فساد صلوٰۃ یوں نقل فرماتے ہیں:

إن الخطأ إما في الإعراب أي الحركات والسكون ويدخل فيه تخفيف المشدّد وقصر الممدود وعكسهما أوفي الحروف بوضع حرف مكان اٰخر،أوزيادته أونقصه أوتقديمه أو تأخيره أوفي الكلمات أوفي الجمل كذٰلک أوفي الوقف ومقابله.

والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير المعنى تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذٰلک سواء كان في القراٰن أولا إلا ما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تامّ وإن لم يكن التغيير كذٰلک،فإن لم يكن مثله في القراٰن والمعنٰى بعيد متغيرتغيرًا فاحشًا يفسد أيضًا كهٰذا الغبار مكان هذا الغراب،وكذا إذا لم يكن مثله في القراٰن ولا معنى له كالسرائل باللام مكان السرائر وإن كان مثله في القرآن والمعنى بعيد ولم يكن متغيرًا فاحشًا تفسد أيضًا عند أبي حنيفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰى،وهوالأحوط وقال بعض المشائخ لا تفسد لعموم البلوى،وهوقول أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالٰى وإن لم يكن مثله في القرآن ولكن لم يتغيربه المعنى نحوقيامين مكان قوامين فالخلاف على العكس،فالمعتبرفي عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثيرًا وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عندهما فهٰذه قواعد الأئمة المتقدمين.

وأما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام وإسماعيل الزاهد وأبي بكرالبلخي والهندواني و ابن الفضل والحلواني فاتفقوا علٰى أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقًا ولوكان اعتقاده كفرًا لأنّ أكثرالناس لايميزون بين وجوه الإعراب قال قاضيخان وما قاله المتأخرون أوسع وما قاله المتقدمون أحوط وإن كان الخطأ بابدال حرف بحرف فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على أنه مفسد،وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين فأكثرهم علٰى عدم الفساد لعموم البلوى،وبعضهم يعتبر عسر الفصل بين الحرفين وعدمه وبعضهم قرب المخرج وعدمه ولكن الفروع غير منضبطة علٰى شئ

من ذٰلک فالأولٰی الأخذ فیه بقول المتقدمین لانضباط قواعدهم وکون قولهم أحوط وأکثر الفروع المذکورة فی الفتاوی منزلة علیه،اه،نحوه فی الفتح،وسیأتی تمامه.(رد المحتار: ۵۹۰/۱)(۱)

ثم قال فی شرح (قوله:إلا ما یشق،الخ)قال فی الخانیة والخلاصة:الأصل فیما إذا ذکر حرفًا مکان حرف وغیر المعنی إن أمکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد،وإلا یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال أکثرهم لا تفسد،آه، وفی خزانة الأکمل قال القاضی أبوعاصم:إن تعمد ذٰلک تفسد،وإن جرٰی علٰی لسانه أو لا یعرف التمییز لاتفسد،وهو المختار حلیة وفی البزازیة:وهو أعدل الأقاویل،وهو المختار،آه،وفی التتارخانیة عن الحاوی:حکی عن الصفار أنه کان یقول:الخطأ إذا دخل فی الحروف لایفسد، لأن فیه بلوی عامّة الناس لأنهم لایقیمون الحروف إلا بمشقة،آھ.

وفیها:إذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فیه بلوی العامّة کالذال مکان الصاد أو الزاء المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ،آھ.

قلت:فینبغی علٰی هذا عدم الفساد فی إبدال الثاء سینًا والقاف همزة کما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لایمیزون بینهما ویصعب علیهم جدًا کالذال مع الزای ولاسیما علی قول القاضی أبی عاصم وقول الصفار،وهذا کله قول المتأخرین،وقد علمت أنه أوسع وإن قول المتقدمین أحوط قال فی شرح المنیة:وهو الذی صححه المحققون وفرعوا علیه،فاعمل بما تختار والاحتیاط أولٰی سیما فی أمر الصلاة التی هی أول ما یحاسب العبد علیها.(رد المحتار: ۵۹۲/۱)(۲)

ضابطہ متقدمین:

متقدمین کے ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر معنی میں ایسا تغیر واقع ہو،جس کا اعتقاد کفر ہے تو یہ بہر کیف بالاتفاق مفسد ہے اور اگر تغیر حد کفر تک نہیں تو امام ابو یوسف کے ہاں ”وجود المثل فی القراٰن وعدمه“ پر مدار ہے اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ”وقوع التغیر البعید فی المعنی وعدمه“ پر،وهو الراجح.

متقدمین کا یہ ضابطہ مطلق ہے جو بظاہر تبدیل حروف متشابہۃ الصوت کو بھی شامل ہے؛مگر حروف متشابہ کے بارے میں متقدمین سے کوئی نص نہیں،بعض عبارات میں تبدیل الضاد بالظاء کا بوقت تغیر معنی مفسد ہونا طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے،مثلاً روح المعانی میں ہے:

(۱) کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،مطلب مسائل زلة القاری،انیس

(۲) کتاب الصلاة،باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها،مطلب إذا قرأقوله”تعالٰی جدک“بدون ألف لا تفسد،انیس

واختلفوا فی إبدال إحداهما بالأخری هل یمتنع وتفسد به الصلاة أم لا،فقیل تفسد قیاساً و نقله فی المحیط البرهانی عن عامة المشایخ ونقله فی الخلاصة عن أبی حنیفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰی. (روح المعانی: ۶۱/۳۰)(۱)

اسی طرح خانیہ وغیرہ میں مغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھنا بنا بر مذہب متقدمین مفسد قرار دیا ہے، ان عبارات سے یہ مقصد نہیں کہ اس کا مفسد ہونا متقدمین سے منصوص ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ضابطہ متقدمین کی بنا پر یہ صورت مفسد ہے، چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ خانیہ سے فروغ مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذا ما ذکره قاضیخان من إبدال هٰذه الأحرف الثلاثة بعضها من بعض وکلّه مخرج علٰی قواعد المتقدمین. (الکبیری: ۴۵۰)(۲)

غرضیکہ حروف متشابہہ کی تبدیل کا حکم متقدمین سے منصوص نہیں، جب متاخرین نے اس پر غور کیا کہ متقدمین کا قاعدہ حروف متشابہہ کو بھی شامل ہے، یا نہیں؟ تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہوا، بعض نے ضابطہ متقدمین کو عام قرار دیا اور اکثر نے حروف متشابہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا اور یہی صحیح ہے؛ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قیاساً فساد صلوٰۃ کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وقیل: لا استحساناً ونقله فیها عن عامّة المشایخ کأبی مطیع البلخی ومحمّد بن سلمة وقال جمع أنه إذا أمکن الفرق بینهما فتعمد ذٰلک وکان ممّا لم یقرأ به کما هنا وغیر المعنی فسدت صلاته وإلا فلا لعسر التمییز بینهما خصوصًا علی العجم وقد أسلم کثیر منهم فی الصدر الأول و لم ینقل حثهم علی الفرق وتعلیمه من الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم ولو کان لازمًا لفعلوه ونقل وهذا هو الذی ینبغی أن یعول علیه ویفتی به. (روح المعانی: ۶۱/۳۰)(۳)

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے:

فثبت بما ذکرنا أن المشابهة بین الظاء والضاد شدیدة وأن التمییز عسر وإذا ثبت هذا فنقول لو کان هٰذا الفرق معتبرًا لوقع السؤال عنه فی زمان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أوفی أزمنة الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم، لاسیما عند دخول العجم فی الإسلام فلما لم ینقل وقوع السؤال عن هٰذه المسألة البتة علمنا أن التمییز بین هذین الحرفین لیس فی محل التکلیف. (۴)

---

(۱) روح المعانی،تفسیر قوله تعالٰی: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾،انیس
(۲) الکبیری شرح منیة المصلی،فصل فی بیان أحکام زلة القاری: ۴۸۰،طبع سنده،انیس)
(۳) روح المعانی،تفسیر قوله تعالٰی: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾،انیس
(۴) التفسیر الکبیر،حکم القراءة بالشواذ،المسئلة العاشرة: ۷۰/۱،انیس

اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے:

إن أكثر الناس خصوصًا العجم كانوا فى الزمان الأول لا يعلمون الفرق بينهما.

اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں:

فمنهم من يجعلها ظاءً مطلقاً (إلىٰ قوله)وهم أكثر الشاميين وبعض أهل المشرق.(۱)

اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتویٰ میں ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے:

فمنهم من يجعلها ظاء وهذا ليس بعجب. (مجموعة الفتاوى: ۳٤/۲)

متقدمین کے زمانہ میں ضاد اور ظاء کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا۔

كما نقل العلامة الألوسی رحمه الله تعالىٰ قول أبی عبيدة بأن الظاء والضاد فی الخط القديم لايختلفان إلا بزيادة رأس إحداهما على الأخرىٰ زياده يسيرة قد تشتبه. (روح المعانی: ۶۱/۳۰)(۲)

عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ متقدمین حروف متشابہ کے فرق کا اہتمام نہ کرتے تھے، ورنہ ایسے سوالات ضرور منقول ہوتے، متقدمین جب ضاد اور ظاء میں فرق کے اہتمام ہی کو واجب نہیں سمجھتے تو تبدیل سے فساد صلوٰۃ کا حکم متقدمین کی طرف منسوب کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ تک بھی عوام الناس ضاد اور ظاء میں فرق نہ کرتے تھے، چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ:۳۳/۲، میں ایک سوال بایں الفاظ منقول ہے:

''اس زمانہ میں اکثر لوگ (ض کو) مشابہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں''۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحوالہ خلاصہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم فساد نقل کیا ہے، اگر اس کا منصوص ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے تو اسے عمد پر محمول کیا جائے گا، زمان اول میں ضاد اور ظاء میں فرق کرنے کا اہتمام نہ تھا، حتی کہ دونوں کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا، کما قدمنا؛ اس لیے ایک حرف کی جگہ عمداً دوسرا پڑھنے کا قول مظنہ تھا، اس کے پیش نظر طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمداً تبدیل کو مفسد فرمایا، اس پر مزید قرینہ یہ بھی ہے کہ خلاصہ کی عبارت مذکورہ میں تغیر معنی کا ذکر نہیں، پس بدوں تغیر معنی کے تبدیل وہی مفسد ہوسکتی ہے، جو عمداً ہو۔

غرضیکہ متقدمین کے ضابطہ سے حروف متشابہ بالخصوص ضاد اور ظاء مستثنیٰ ہیں؛ **إلا فی العمد.**

قال فی البزازية: إن تغير المعنى وليس مثله فی القراٰن فسد عند الكل ولا عبرة لقرب المخرج وإنما العبرة لاتفاق المعنى عندهما ولوجود المثل عنده والأصل أنه إن أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء فالأكثر علىٰ أنه لايفسد

(۱) التمهيدفی علم التجويد،الباب الثامن فی مخارج الحروف،الخ،مخرج الضاد: ۱٤۰،مؤسسةالرسالة.انيس

(۲) تفسير قوله تعالىٰ:﴿وَمَا هُوَعَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾،انيس

لعموم البلوی...وأطلق البعض بالفساد بأن تغير المعنی وقال القاضی أبو الحسن وأبو عاصم إن تعمد فسد وإن جریٰ علیٰ لسانه أو کان لایعرف التمييز لايفسد وهو أعدل الأقاويل.وهو المختار.(البزازية علیٰ هامش الهندية: ۴۲/۴)(۱)

اس عبارت میں پہلے ضابطہ متقدمین کا بیان ہے، پھر ”**والأصل فيه أنه إن أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة،الخ** “ سے اس ضابطہ کی توضیح ہے۔

(۲) کبیری کا جزئیہ:

قال فی الخانية:لو قرأ غير المغضوب بالظاء أو بالذال تفسد صلاته ولو قرأ الضالين بالظاء أو بالذال لاتفسد صلاته ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته.(الخانية علیٰ هامش الهندية: ۱۴۳/۱)(۲)

وفی غنية المستملی:وليسا فی القرآن غير المغضوب بالظاء والذال المعجمتين تفسد إذ ليس لهما معنی ولا الضالين بالظاء المعجمة والدال المهملة لا تفسد لوجود لفظهما فی القرآن وقرب المعنی لصحة تقديرولا الظالين أی المستمرين فی الضلال والدالين أی القائلين هل ندلكم علی رجل الآية ولو قرأه بالذال المعجمة تفسد لبعد معناه لأنه إسم فاعل ذل النخلة إذا وضع عذقها علی الجريدة لتحمله وليس من الذلة إذ لم يستعمل الوصف منها علیٰ فاعل بل علیٰ فعيل.(الكبيری:۴۴۸)(۳)

خانیہ کی عبارت کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ کبیری میں خانیہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے،خانیہ میں ذال کو غیر مفسد اور دال کو مفسد قرار دیا ہے اور کبیری میں عکس ہوگیا ہے،کبیری میں یہ فروع خانیہ سے لی گئی ہیں،چنانچہ فرماتے ہیں:

وهٰذا فصل وهو إبدال أحد هٰذه الأحرف الثلاثة أعنی الضاد والظاء والذال من غيره فلنورد ما ذكره فی فتاوی قاضيخان من هٰذا القبيل.(۴)

پھر جزئیات مذکورہ بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذاما ذكره قاضيخان من إبدال هٰذه الأحرف الثلاثة بعضها من بعض وكله مخرج علیٰ قواعد المتقدمين.(الكبيری: ۴۵۰)(۵)

کبیری کے سوا اور کسی کتاب میں بھی دالین کا غیر مفسد ہونا مذکور نہیں،کبیری میں عدم فساد کی جو تاًویل بیان کی گئی

---

(۱) کتاب الصلاة،باب الثانی عشر فی زلة القاری،انیس

(۲) فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندية،فصل فيما يفسد الصلاة،فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱۴۱/۱-۱۴۲،انیس

(۳-۴) الكبيری شرح منية المصلی،فصل فی بيان أحكام زلة القاری:۴۷۸،طبع سنده،انیس)

(۵) الكبيری شرح منية المصلی،فصل فی بيان أحكام زلة القاری: ۴۸۰،طبع سنده،انیس)

ہے، وہ بھی بہت بعید ہے، (**كما لا يخفى**) ، نیز ضابطہ متقدمین کے مطابق دالین کا غیر مفسد ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو ضابطہ متقدمین غیر عمد کی صورت میں ہے اور آج کل لوگ عمداً دال پڑھتے ہیں؛ اس لیے عدم تغیر معنی کے باوجود دال پڑھنا مفسد ہوا۔

المغضوب میں ظاء یا ذال پڑھنے کو متقدمین کے ضابطہ کے تحت مفسد قرار دینے کا جواب اوپر گزر چکا ہے؛ یعنی حروف متشابہ کی تبدیل ضابطہ متقدمین سے خارج ہے۔

ضابطہ متاخرین:

متاخرین کے ہاں اعراب کی تبدیل مفسد نہیں؛ اگر چہ اس کا اعتقاد کفر ہو، حروف متشابہ کی تبدیل بھی مفسد نہیں، حروف متشابہ سے متعلق متاخرین کا یہ فیصلہ ضابطہ متقدمین کے خلاف نہیں؛ بلکہ اس کی توضیح ہے، **كما قدمنا**.

بعض متاخرین نے حروف متقاربۃ المخرج کی تبدیل کو بھی غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض نے عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی ابوالعاصم کا قول:

"إن تعمد ذلك تفسد وإن جرىٰ على لسانه أو لايعرف التمييز لا تفسد".

نقل کر کے اس کے بارے میں حلیہ سے "**وهو المختار**" اور بزازیہ سے "**وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار**" نقل کیا ہے، (۱) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل قول ہے؛ مگر بندہ کے خیال میں قاضی ابوالعاصم کا قول متاخرین کے قول کی توضیح ہے؛ کیوں کہ یہ بہت بعید ہے کہ کوئی فقیہ عمداً تبدیل حروف کو بھی مفسد قرار نہ دے۔

ضاد کو دال پڑھنا:

ضاد اور دال میں نہ تشابہ صوت اور عسر تمییز ہے اور نہ قرب مخرج، اگر کوئی ضاد کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں تو اس سے متشابہ ظاء پڑھ سکتا ہے، لہٰذا ان قواعد کے تحت ضاد کو دال پڑھنا مفسد ہوگا، البتہ تیسرے قاعدہ "عموم بلویٰ" کے تحت یہ مسئلہ قابل غور ہے، عبارات مذکورہ میں عموم بلویٰ کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں، ان سب میں حروف متشابہۃ الصوت ہی کو ذکر کیا گیا ہے، البتہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی نے قاف کو ہمزہ پڑھنے کی مثال بھی ذکر فرمائی ہے۔ بہر کیف بظاہر عموم بلویٰ کا قاعدہ سب حروف کو عام ہے اور مسئلہ زیر بحث میں عموم بلویٰ ظاہر ہے، اگر چہ مخرج سے عاجز ضاد کو ظاء پڑھ سکتا ہے؛ مگر غلبۂ جہل کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ضاد کا تلفظ دال مفخم کی طرح ہے اور وہ دال مفخم پڑھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے وہی لفظ ادا کیا ہے، جو قرآن میں ہے؛ اس لیے ان کی نماز کو صحیح قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله "وتعالىٰ جدك" بدون ألف لا تفسد: ۶۳۳/۱، انیس

کما مرّمن قول أبی العاصم أو لایعرف التمییز لاتفسد،وقال العلامة الحلبی رحمه اللّٰه تعالٰی روی عن محمّد بن سلمة أنها لا تفسد؛لأن العجم لایمیزون بین هٰذه الحروف(الضاد والظاء و الذال)وکان القاضی الإمام الشهید المحسن یقول:الأحسن فیه أی فی الجواب فی هٰذه الإبدال المذکورة أن یقول المفتی:إن جریٰ ذلک علٰی لسانه ولم یکن ممیزًا بین بعض هٰذه الحروف وبعض وکان فی زعمه أنه أدی الکلمة علٰی وجهها لا تفسد صلاته،وکذا أی مثل ما ذکرالمحسن روی عن محمد ابن المقاتل وعن الشیخ الإمام إسماعیل الزاهد وهٰذا معنی ما ذکرفی فتاوی الحجة أنه یفتی فی حق الفقهاء بإعادة الصلاة وفی حق العوام بالجواز کقول محمد بن سلمة اختیارًا للاحتیاط فی موضعه والرخصة فی موضعها.(الکبیری:۴۴۸)(۱)

یہ عبارات بھی اگر چہ حروف ثلاثہ(ضاد،ظاء،ذال)سے متعلق ہیں،مگر تعلیل "لایعرف التمییز وکان فی زعمه أنه أدی الکلمة علٰی وجهها" عام ہے؛البتہ ڈال مفخم پڑھنے کی صورت میں صحت صلوٰۃ کے قول کی کوئی گنجائش نہیں؛اس لیے کہ ڈال عربی حرف نہیں۔

صحیح تلفظ سے عاجز کے لیے بذل جہد کا حکم:

متقدمین کے ہاں جو شخص کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو،اس پر تصحیح کی کوشش میں لگا رہنا فرض ہے،جب تک صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو،اس وقت تک اگر صحیح پڑھنے والے کی اقتدا پر قادر ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھے،ورنہ غلط تلفظ کے باوجود اس کی نماز ہوجائے گی اور اگر تصحیح کی کوشش چھوڑ دی،یا صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قدرت کے باوجود منفرداً نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگی۔

قال فی العلائیة:وحررالحلبی وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائمًا حتمًا کالأمّی فلا یؤم إلا مثله،ولاتصح صلاته إذا أمکنه الاقتداء بمن یحسنه أوترک جهده أووجد قدرالفرض ممّا الألثغ فیه،هٰذا هوالصحیح المختارفی حکم الألثغ،وکذا من لایقدرعلی التفلظ بحرف من الحروف،الخ.(الدرالمختار)

وفی الشامیة:(قوله دائمًا)أی فی آناء اللیل وأطراف النهار،فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدرعلیه فصلاته جائزة،وإن ترک جهده فصلاته فاسدة،کما فی المحیط وغیره الخ.(قوله حتمًا)أی بذلاً حتمًا فهومفروض علیه.(قوله وکذا من لایقدرعلی التلفظ بحرف من الحروف) عطفه علٰی ماقبله بناءً علٰی أن الألثغ خاص بالسین والراء کما یعلم ممّا مرّعن المغرب،وذٰلک

(۱)　الکبیری شرح منیة المصلی،فصل فی بیان أحکام زلة القاری:۴۷۷-۴۷۸،طبع سنده،انیس)

کالرھمٰن الرھیم،والشیتان الرجیم،والألمین،وإیاک نأبد،وإیاک نستئین،السرات،أنأمت فکل ذٰلک حکمه ما مرّمن بذل الجهد دائمًا،وإلا فلا تصحّ الصلاة به.(رد المحتار: ۱/٥٤٤) (۱)

وقال العلامة الحلبی رحمه اللّٰه تعالٰی وذکرفی فتاوی الحجة ما یوافق قول صاحب المحیط فإنه قال مایجری علٰی ألسنة النساء والأرقاء الخطأ الکثیرمن أوّل الصلاة إلٰی اٰخرها کالشیتان والألمین،وإیاک نأبد،وإیاک نستئین،السرات،أنأمت،فعلٰی جواب الفتاوی الحسامیة ماداموا فی التصحیح والتعلم والإصلاح باللیل والنهارولا یطاوعهم لسانهم جازت صلاتهم کسائر الشروط إذا عجزعنها من الوضوء وتطهیر الثوب والقیام والقراءة والرکوع والسجود والقعود والتوجه إذا حصل العجزعنها فکذا هنا أما إذا ترکوا التصحیح والجهد فسدت صلاتهم کما إذا ترکوا سائرالشروط.(الکبیری: ٤٥٢)(۲)

ان عبارات کی بناپرضادکودال پڑھنے والے کی نمازصحیح نہیں ہوناچاہیے؛ کیوں کہ ضاد کے مخرج کی تصحیح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے ظاء پڑھے اوراس پر ہرشخص قادر ہے،مگرمتاخرین کے ہاں عموم بلویٰ سے متعلق جوعبارات گزری ہیں، ان میں عموم بلویٰ کی صورتوں میں صحت صلوٰۃ کے لیے بذل جہد کی شرط نہیں،لہٰذا متاخرین کے اس قاعدہ کے تحت اگر کوئی ضاد کے صحیح مخرج پرقادرنہیں اوروہ تصحیح کی کوشش بھی نہیں کرتا،مگروہ اپنے زعم میں ضادکاصحیح تلفظ دال مفخم کی طرح ہی سمجھتاہے تواس کی نماز ہوجائے گی، **کما قدمناه.**

ضادکودال پڑھنے والے کی اقتدا:

قال فی شرح التنویر:(و)لا(غیرالألثغ به)أی بالألثغ (علی الأصح) کما فی البحرعن المجتبی، وحررالحلبی وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائمًا حتمًا کالأمی،فلا یؤم إلامثله (إلٰی قوله) هذا هو الصحیح المختارفی حکم الألثغ،وکذا من لا یقدرعلی التلفظ بحرف من الحروف.(الدرالمختار)

وفی الشامیة:(قوله علی الأصح)أی خلافاً لما فی الخلاصة عن الفضلی من أنها جائزة؛لأن ما یقوله صارلغةً له ومثله فی التاترخانیة.

وفی الظهیریة:وإمامة الألثغ لغیره تجوز،وقیل لا،ونحوه فی الخانیة عن الفضلی.وظاهره اعتمادهم الصحة وکذا اعتمدها صاحب الحلیة،قال لما أطلقه غیرواحد من المشایخ من أنه ینبغی له أن لایؤم غیره،ولما فی خزانة الأکمل:وتکره إمامة الفأفأء،آه،ولکن الأحوط عدم الصحة

(۱) کتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب فی الألثغ،انیس

(۲) الکبیری شرح منیة المصلی،فصل فی بیان أحکام زلة القاری: ٤٧٧-٤٧٨،طبع سنده،انیس

كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته تحفة الأقران،وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممّن ليس به لثغة. (رد المحتار: ۱/۵٤٤)(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اصح واحوط تو یہی ہے کہ الثغ سے غیر الثغ کی اقتدا صحیح نہیں، مگر ایک قول صحت کا بھی ہے، غلبۂ جہل کی وجہ سے ضاد کو دال مفخم پڑھنے والے کو بھی الثغ پر قیاس کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس سے دال خواں کی اقتدا تو بہر حال جائز ہے اور جو شخص اس جہالت میں مبتلا نہیں، وہ دال خواں کی اقتدا نہ کرے، البتہ موقعۂ ابتلا میں دال خواں کے پیچھے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، مگر اعادہ احوط ہے، یہ حکم جہل مرکب میں مبتلا دال خواں کا ہے، اگر ''**أضله الله على علم**'' کے مطابق عناداً یا لوگوں کے خوف سے دال پڑھتا ہے تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی۔

(۳)　ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں؛ البتہ جو شخص ضاد کے مخرج پر قادر نہ ہو، اس کے لیے ظاء پڑھنے کی اجازت ہے، قادر علی المخرج کو عمداً ظاء پڑھنا جائز نہیں، خطاً پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ کیمیائے سعادت میں ہے:

''فرق درمیان ضاد وظاء بجا آورد اگر نتواند روا باشد''۔

وفي الشامية عن خزانة الأكمل: قال القاضي أبوعاصم: إن تعمد ذٰلك تفسد، وإن جرىٰ علىٰ لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار (حلية) وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار. (رد المحتار: ۱/۵۹۲)(۲)

باقی رہا یہ سوال کہ بعض قراء کہتے ہیں کہ ہم ضاد پڑھتے ہیں، مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے، سو اس میں اولاً یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ضاد اور ظاء کے سماع اور صوت میں فرق بہت دشوار اور نہایت متعسر ہے۔

قال في التفسير الكبير: إن المشابهة بين الظاء والضاد شديدة وإن التمييز عسير، وفي جهد المقل: الضاد والظاء والذال المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة ومتشابهة في السمع، وأيضًا فيه: ويشبه صوتها(الضاد)صوت الظاء المعجمة بالضرورة، وفي شرح الشاطبية: أن هٰذه الثلاث متشابهة في السمع، وأيضًا في جهد المقل لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما. (مجموعة الفتاوى: ۲/۳٤)

وفي الهندية: وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء والضاد، إلخ وهٰكذا في شرح التنوير والشامية والخانية وفتح القدير والنهر الفائق وخزانة المفتين وخلاصة الفتاوىٰ وغيرها.

غرضیکہ جب ان میں فرق متعسر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فرق (۳) وہی سمجھ سکے گا، جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو،

---

(۱)　كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، انيس

(۲)　كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله ''تعالىٰ جدك'' بدون ألف لاتفسد، انيس

(۳)　آئندہ سوال کے جواب میں شرح قصیدہ امنیہ کی عبارت آرہی ہے کہ فصحاء عرب کے تلفظ ضاد کو سامع ظاء سمجھتا ہے۔ منہ

سین، ثاءاور ذال، زاء کے سماع اور صوت میں بخوبی فرق سمجھتا ہو؛ بلکہ ضاد اور ظاء میں فرق کا سمجھنا، سین اور ثاء یا ذال اور زاء میں فرق سمجھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے، **کما هو ظاهر و ثابت بالأدلة المذكورة**، لہٰذا یہ امر کوئی باعث تعجب نہیں کہ قاری فرق کررہا ہو اور غیر ماہر فی الفن کو سننے میں کچھ فرق معلوم نہ ہو رہا ہو اور اگر سامع ماہر فی الفن ہونے کے باوجود فرق نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا کہ قاری قادر علی مخرج الضاد نہیں، اگر چہ مدعی قدرت کا ہو اور غیر قادر کو ظاء پڑھنے کی اجازت ہے، البتہ اگر سامع ماہر فی الفن ہے اور سامع کو یہ بھی یقین ہے کہ قاری ضاد کے اصل مخرج پر قادر ہے، مگر عمداً باوجود قدرت علی المخرج کے محض عناداً ظاء پڑھتا ہے تو ایسے قاری کی نماز واقعۃً فاسد ہوگی، مگر ایسے شخص کا وجود دنیا میں مشکل ہے، جو کہ قدرت علی المخرج کے باوجود ضاد اور ظاء میں فرق سمجھتے ہوئے بھی عمداً ظاہر پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم (غرۂ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ یوم الجمعۃ)

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ ضاد مشابہت دال سے رکھتا ہے، یا کہ ظاء سے مفصلاً تحریر فرمائیں، مشہور ہے کہ علماء حجاز دال پڑھتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ ومنه الصّدق والصّواب

اس سے متعلق عنقریب ہی علماءِ حجاز کی طرف سے چند فتاویٰ موصول ہوئے ہیں، اس وقت انہی کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں، ہر فتویٰ کا صرف ضروری اور بقدر کفایت حصہ تحریر کیا جاتا ہے، حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدینہ منورہ تحریر فرماتے ہیں:

شرح قصیدہ امنیہ میں ہے:

فلذٰلک اشتد شبهته وعسر التمييز واحتاج القارى فى ذٰلک إلى الرياضة لاتصال بين مخرجهما وفصحاء العرب يتلفظون بها بحيث يشبه صوتها صوت الظاء كما فى الجلد الأول من تفسير المنار للشيخ محمّد عبده مفتى مصر،إننا نجد أعراب الشام وماحولها ينطقون بالضاد فيحسبها السامع ظاءً لشدة قربها منها وشبهها بها وهٰذا هو المحفوظ عن فصحاء العرب الأولين.

اس حرف میں اختلاف کی ابتدا اس وقت ہوئی، جب عرب میں ممالک مختلفہ کی لونڈیاں آئیں، ان سے اولاد ہوئی تو اس حرف کی صحت میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔

إنها فى لغة قوم ليس فى لغتهم ضاد فإذا احتاجوا إلى التكلم بها فى العربية اعتاصت عليهم فربما أخرجوها ظاءً لإخراجهم إياها من طرف اللسان وأطراف الثنايا وربّما تكلفوا إخراجها من مخرج الضاد فلم يتأف لهم فخرجت بين الضاد والظاء. (شرح الشافية)

مفتی سعداللہ صاحب رامپوری فرماتے ہیں:

''خواندن دال مہملہ یا زاء بجائے ضاد نہ بدعتے ست امروزے اہل ہند؛ بلکہ بعض اہل عرب نیز از پیشتر دریں بلا مبتلا بودہ اند''۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

من يخرجه دالاً مهملة أو معجمة و منهم من يخرجه طاءً مهملة كالمصريين،الخ.(۱)

اس رسالہ پر علماءِ حرمین کی تقاریظ بھی ہیں۔

یہاں دو تین مصری قاری آئے تھے، انہوں نے قرأت میں ضاد نہایت صحیح پڑھا، اکثر عرب مخرج صحیح سے نکالتے ہیں؛ مگر صفت رخاوۃ ناقص کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے دال شدیدہ کی طرح مسموع ہوتا ہے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی استاد الکل جو اپنے بڑے بھائی قاری عبداللہ صاحب کے ہمراہ سالہا سال تک مدرسہ صولتیہ میں عربوں کے بھی استاد رہے ہیں، رسالہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ضاد میں جو رخاوت پائی جاتی تھی، وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو، یہ لحن خفی ہے. **(انتهٰى تحرير السندى رحمه الله تعالىٰ)**

حسن بن ابراہیم الشاعر کا فتویٰ:

أقول: وأنا الفقير إلٰى رحمة ربّه القدير حسن بن إبراهيم المدرس بالحرم النبوى أن نهاية القول فى الضاد هو أنها أقرب إلٰى الظاء فقط كما فى الرعاية و جهد المقل وغيرهما و أما كون الضاد شبيهة بالدال أو الغين فما سمعناه به قط و لا وجد فى كتاب فمن صلّى خلف إمام يعتقد ذٰلك فصلاتهما باطلة و الله علٰى ما نقول وكيل.

كتبه بيده راجى عفو ربه القادر حسن بن إبراهيم الشاعر المدرس بالحرم النبوى بالمدينة المنورة

صاحب موصوف کا دوسرا فتویٰ:

اعلم وفقنى اللّٰه تعالٰى و إياك للصواب، قال الجزرى رحمه الله تعالٰى: و الضاد باستطالة و مخرج ميز من الظاء فلا بد من إخراجها من مخرجها المعلوم بين القراء ضادًا خالصة وقرأتها بالظاء لايجوز إلا إذا تعسر النطق هكذا أخذنا من مشايخنا و لايجوز قرأتها بالدال كذٰلك إن قصد و لا بغيره طاءً أو ظاءً، والله ولى التوفيق.

كتبه حسن بن إبراهيم الشاعر خادم القراء و المدرس بالحرم النبوى

تحريرًا ٤ /صفر ١٣٧٥ھ

اس فتویٰ پر مکہ و مدینہ کے دیگر مشاہیر علما و قرا کے دستخط اور تقاریظ بھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد، ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۸۹-۱۰۴)

---

(۱) المنح الفكرية ،باب الضاد و الظاء: ۱۷۷-۱۷۸، دار الغوثانى للدراسات القرآنية دمشق، انيس

کیفیت اداءِ ہمس در تاء وکاف(۱):

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وقراءِ قرآن مبین اس مسئلہ میں کہ حرف کاف وتاء جو حروف مہموسہ سے ہیں، ان کی صفت ہمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف وتاء کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف وتاء ساکن ومتحرک میں ہاء ہوّز کی آواز سنائی

(۱) رسالہ ضیاء الشّمس فی أداء الہمس از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

(تلخیص وتسہیل: اس رسالہ میں تاء اور کاف میں صفت ہمس ادا کرنے کا صحیح طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ جواب کے شروع میں ایک شبہ اور اس کا جواب ہے۔

شبہ یہ ہے کہ کاف اور تاء کا ذکر مہموسہ اور شدیدہ دونوں میں آیا ہے، حالانکہ ہمس میں آواز کمزوری سے ٹھیرتی ہے، اور شدت میں قوت سے، پس بظاہر ان دونوں میں ضدین کا اجتماع ہو رہا ہے، جو محال ہے۔

اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہمس کا تعلق سانس سے ہے، یعنی اس میں سانس جاری رہتا ہے اور شدت کا تعلق آواز سے ہے، کہ وہ آواز کو بند کر دیتی ہے، پس جب بند ہونے اور جاری رہنے کا تعلق ایک ہی شئے سے نہیں ہے، تو ضدین کے جمع ہونے کا خیال بھی صحیح نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شدت کے قوی ہونے کے سبب آواز بند ہو جاتی ہے۔ پھر ہمس کے ضعیف ہونے کے سبب سانس کسی قدر جاری ہو جاتا ہے، پس جب بند ہونا اور جاری ہونا بیک وقت نہیں ہے، تو تضاد نہ رہا، کیونکہ تضاد کے تحقق کے لئے وحدت زمان شرط ہے۔ (یہ دونوں جوابات عنایات رحمانی شرح شاطبیہ: ۳/۵۴۵، میں ہیں)

تیسرا جواب یہ ہے کہ کمزوری اور قوت اضافی اور اعتباری ہے، یعنی کاف وتاء میں کمزوری صفت جہر کی بنسبت ہے اور قوت صفت رخوہ کی نسبت ہے، لہذا نسبتوں کے بدل جانے سے تضاد ختم ہو گیا؛ کیونکہ شرائط تضاد میں سے اتحاد نسبت بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کاف وتاء میں صفت ہمس تو حقیقی ہے، یعنی ان کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی کمزوری کے ساتھ ٹھیرے گی کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں پستی ہو جائے۔ لیکن سانس کا جاری ہونا بخوبی نہیں ہوتا، بلکہ بہت ہی کم ہوتا ہے حتی کہ بعض مجودین نے تو ان کو مجہورہ کہا ہے۔

اور سانس کے ضعف کے ساتھ جاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا صفات عرضیہ میں سے ہے، لہذا ان کا ظہور حالت سکون ہی میں ہوگا اور جب حروف متحرک ہوں گے، تو یہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا غایت درجہ خفا میں ہوگا کہ خود قاری کو بھی اس کا احساس نہ ہوگا، بلکہ معدوم کہنا چاہئے، ہاں جب کاف اور تاء ساکن ہوں گے، تو اس میں سانس کا جاری ہونا نہایت ضعف کے ساتھ ضرور ہوگا؛ کیونکہ ان میں صفت شدت بھی ہے، لہذا جب آواز ٹھیرے گی تو سانس بھی ضرور ٹھیر جائیگا اور جب آواز اور سانس دونوں بند ہو گئے، تو مخرج کو جنبش ہوئے بغیر وہ حروف سنے نہیں جا سکتے، اس لئے "قطب جد" میں جو کہ مجہورہ میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی ہے، لیکن کاف اور تاء میں چونکہ صفت ہمس ہے؛ اس لئے نہایت ضعف ونرمی کے ساتھ رکھی گئی ہے، تا کہ آواز میں ضعف وخفا قائم رہے۔

لیکن اس میں پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ جنبش ضعیف سے جو سانس جاری ہو، اس کے ساتھ آواز جاری نہ ہو جائے؛ کیونکہ ایسا ہونے سے کاف کے بجائے "کھ" اور تاء کے بجائے "تھ" ادا ہوگا، پس جو حضرات اِیَّاکھُ اور اَنْعَمْتَھُ پڑھتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اس طرح کر کے کاف اور تاء کی صفت ہمس کو ادا کرتے ہیں، وہ حضرات بالکل غلطی پر ہیں۔ سعید احمد پالنپوری)

دیتی ہے، آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں؟ نیز وہ صاحب اپنی کیفیت ادا کی تائید میں کتاب جهد المقل کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں؟

وأما الشديد المهموس فهي حرفان: الكاف والتاء المثناة الفوقية ... فلشدتهما يحتبس صوتهما بالكلية بل نفسهما أيضًا حين احتباس صوتهما؛ لأن احتباس الصوت بالكلية لايكون إلا باحتباس النفس بالكلية؛ لأن حقيقة الصوت هي النفس، ثم ينفتح مخرجاهما ويجري فيهما نفس كثير مع صوت ضعيف ليحصل الهمس، آه. (۱)

آیا اس عبارت سے ان صاحب کی ادا کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہمس مقابل ہے جہر کا، جہر لغت میں آواز قوی وبلند کو کہتے ہیں اور ہمس آواز ضعیف وخفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ "**فحثه شخص سكت**" ہے، حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں؛ کیوں کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف وخفی ہوتی ہے (اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلۃً معلوم ہو گئے)۔

كما قال العلامة علی القاري: الهمس في اللغة الخفاء ... وسميت مهموسة لجريان النفس معها لضعفها ولضعف الاعتماد عليها عند خروجها وضدها المهجورة، آه. (المنح الفكرية علی المقدمة الجزرية. مطبوعة مصر: ۲۰) (۲)

حروف مہموسہ میں سے دو حروف کاف وتاء شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں، شدت کے معنی لغۃً قوت وسختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ "**أجدك قطبت**" ہے، حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کی ادا کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوت وسختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے، لہٰذا شدت کے معنی لغوی وعرفی سے مقابلۃً رخوۃ کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسط "**لن عمر**" کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں، پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف وتاء مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں؛ لیکن بنا بر تعریف مذکور ہمس وشدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد وصوت وجریان نفس مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے، حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف وضد ہیں؛ لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں؛ اس لئے کہ ہمس وجہر شدت ورخوت کی تعریف میں جو قوت وضعف اعتماد وصوت اور جریان واحتباس نفس

(۱) جهد المقل، البحث الثاني في صفات الحروف: ۱۴۶، دار عمار. انیس

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، حروف الهمس: ۹۸، دار الغوثاني دمشق. انیس

وصوت کہا جاتا ہے، یہ امور اضافی واعتباری ہیں؛ یعنی ہر ایک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت وضعف وجریان واحتباس پایا جاتا ہے، پس کاف وتاء میں من حیث الہمس جو ضعف اعتماد وصوت اور جریان نفس ہے، وہ باعتبار حروف مجہورہ کے ہے اور من حیث الشدت جو قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ہے، وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے، **فارتفع الإشكال،** نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت وضعف وجریان واحتباس نفس وصوت کا تفاوت پایا جاتا ہے، بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے، پس کاف وتاء بہ نسبت صاد ضعیف ہیں؛ کیوں کہ صاد میں تین تین صفت قوی اطباق واستعلاء وصفیر موجود ہیں اور بہ نسبت تاء وحاء وخاء وسین وشین وفاء وہاء قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف وخفی الصوت ہیں؛ مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے، بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ کے؛ **لأنه في الشدة يوجد احتباس الصوت واحتباس الصوت يستلزم احتباس النفس، كما في جهد المقل.** (۱)

پس تقریر مذکور سے ثابت ہوگیا کہ کاف وتاء میں ہمس حقیقی؛ یعنی ضعف وخفاء صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے، مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ ان میں جریان نفس بہت کم ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے بعض علما نے ان کے مہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اور ان کو مجہورہ کہا ہے؛ کیوں کہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہورہ بھی خالی نہیں؛ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے اس خلاف کو منح الفکریہ شرح جزریہ میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیا ہے، (۲) نیز دیگر محققین فن تجوید وقرأت کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف وتاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا، یا کم ہوتا ہے، دیگر حروف مہموسہ سے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن جریان نفس در کاف وتاء خوب معلوم نمی شود، گو ضعف صوت ہست، لہذا بعض علما در مہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند'' آہ۔ (تحفہ نذیریہ، مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ:۱۹)

حضرت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''اما جریان نفس در کاف وتاء کمتر است ودر بواقی اکمل'' آہ۔ (حجۃ القاری، مطبوعہ محمود المطابع کانپور۱۶)

نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوت اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہر الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائے گا، خواہ متحرک ہوں یا ساکن؛ کیوں کہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں؛ لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت، یہ امور من جملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان واحتباس نفس وصوت غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے۔

---

(۱) جهد المقل: ۱٤٥، البحث الثاني في صفات الحروف، فصل، دار عمار، انيس

(۲) المنح الفكرية، الحروف المتوسطة: ۱۰۱، دار الغوثاني دمشق، انيس

کما قال صاحب الرعایة: إن جری النفس فی الهمس وحبس النفس فی الجهر فی الساکن زائد من المتحرک وفی الوقف أزید من الساکن، آه، هٰکذا قال الجاربردی وذکر الجاربردی أن جریان الصوت وعدم جریه عند إسکان الحرف أبین منهما عند تحریکه، إلخ. (۱)

پس کاف وتاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حرف کی ادائیگی انفتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا انفتاح کی وجہ سے فی الجملة صوت کا جریان ضرور ہوگا جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا بموجب قاعدہ مسلمہ: ”**جریان الصوت یستلزم جریان النفس**“ **کذا فی الجهد**؛ (۲) مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے، دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے، غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا؛ بلکہ معدوم کہنا چاہئے، جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون ومیم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں؛ مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے قلقلہ وغنہ کالعدم ہوتے ہیں، اسی طرح کاف وتاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے، مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے **لا یعبأ به** ہے، یہ تفصیل تو کاف وتاء متحرک کے متعلق تھی اور اگر کاف وتاء ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی استقرار صوت والتصاق مخرج کیساتھ ہوتی ہے، بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جِسْمَیْن بالقوة ہوتا ہے، لہٰذا شدت اتصال جِسْمَیْن کی وجہ سے جب صوت مُحْتَبس ہوگی تو نفس بھی ضرور محتبس ہوگا، (**کما ذکره صاحب الجهد**) پس جب صوت ونفس دونوں بند ہوگئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو، تب تک کوئی حرف سنائی نہیں دے سکتا، اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف ”**قطب جد**“ میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ؛ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی؛ تا کہ آواز میں قوتِ جہر پیدا ہو، اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے؛ **لأن أدنٰی الجهر إسماع الغیر** (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے، **وتوجیهه مذکور (فی المطولات)**) اور دو حروف کاف وتاء ساکن میں بوجہ صفت ہمس ضعیف کے جنبش نہایت ضعف ونرمی کے ساتھ رکھی گئی؛ تا کہ آواز میں ضعف وخفا قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کر سکے: **لأن أدنی المخافتة إسماع نفسه**، مگر اس جنبش ضعیف سے (کہ صفت ہمس کے ادا کی غرض سے کی جاتی ہے) جو نفس جاری ہوتا ہے، اس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونا چاہئے؛ کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے، نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے۔

کما قال صاحب جهد المقل: اعلم أن النفس الذی هو الهواء الخارج من داخل الإنسان إن کان مسموعًا فهو صوت وإلا فلا، انتهٰی. (ص: ۲۷) (۳)

---

(۱) کتاب الرعایة لتجوید القراءة، باب صفات الحروف وألقابها وعللها: ۱۱۶-۱۱۷، دار عمار. انیس

(۲) جهد المقل ۱٤٥، البحث الثانی فی صفات الحروف/وکذا فی المیزان فی أحکام القرآن، حروف الهمس: ۷۸، دار الإیمان. انیس

(۳) جهد المقل، تتمة تتعلق بالمخرج والاعتماد: ۱۲۳، دار عمار. انیس

وقال مؤلف حقيقة التجويد فی رسالته المذكورة: فالتنفس يوجد فی كل صوت ولايوجد صوت فی كل تنفس بل بعضه مع الإرادة وإذا خرج الحرف من فم الإنسان بغيرإرادته فلايطلق عليه الحرف ولايراد منه المعنى فالصوت علٰی قسمين:جهری وخفی،والجهری مايسمعه الغير والخفی مايسمعه النفس كما قال الفقهاء،وأدنی الجهرما يسمعه الغيروأدنی المخافتة مايسمعه النفس فی القراء ة والطلاق والعتاق والبيع والاستثناء والتسمية علی الذبح ووجوب السجدة بتلاوة آية السجدة وغيرها والمراد من الأدنی حد الجهروالخفی،آه.(ص:۱۲)

پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف وتاء میں مطلقاً،خواہ متحرک ہوں،خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور دیگر حروف مہموسہ سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے،جیسا کہ دلائل وشواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا،دوسرے صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کاف وتاء متحرک میں انفتاح مخرج کے ساتھ اور ساکن میں جنبش ضعیف وخفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے،اس کے صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں؛ کیوں کہ نفس عام ہے اور صوت خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔

نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں،نہ عقلاً نہ نقلاً،اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاوے گی تو کاف وتاء شدیدہ نہ رہیں گے؛ بلکہ رخوہ ہو جائیں گے؛ کیوں کہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے،نہ کہ شدیدہ میں اور یہ بات ادنی تأمل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جاری کے با اور جیم میں ہے،وہ بھاری اور جھاری کے با اور جیم میں نہیں ہوسکتی،اسی قیاس پر جو شدت کانا اور تانا کے کاف وتاء میں ہے،وہ کھانا اور تھانا کے کاف وتاء میں نہیں پائی جاتی تو ایک صفت ہمس جو مختلف فیہ ہے،اس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت شدت جو کہ متفق علیہ ہے،مفقود ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزریؒ سے کتاب النشر فی القرأت العشر میں اور ملا علی قاری سے منح الفکریہ علی متن الجزریہ میں اس کا عدم جواز وغلط ہونا ثابت ہوتا ہے؛ چنانچہ کتاب النشر فی القرأت العشر میں ہے:

والتاء:يتحفظ بما فيها من الشدة لئلا تصير رخوة كما ينطق به بعض الناس ... والكاف: فليعن بما فيها من الشدة والهمس لئلا يذهب بها إلٰی الكاف الصماء الثابتة فی بعض لغات العجم فإن ذلک الكاف غيرجائز فی لغة العرب وليحذرمن إجراء الصوت معها كما يفعله بعض النبط والأعاجم.(۱)

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اجراء صوت اداء اعاجم ہے،جو کہ ممنوع وقابل احتراز ہے۔

(۱) النشر فی القراء ات العشر للجزری، فصل فی التجويد جامع للمقاصد وحاوی للفوائد: ۲۱۷/۱-۲۲۱، دارالكتاب الإسلامی بيروت.انيس

نیز ملاعلی قاری منح الفکریہ علی متن الجزریہ،ص:۲۰میں فرماتے ہیں:

ثم إن النفس الخارج الذی ھو صفة حرف إن تکیّف بکیفیة الصوت حتٰی یحصل صوت قوی کان الحرف مجھورًا وإن بقی بعضه بلاصوت یجری مع الحرف کان ذلک الحرف مھموسًا وأیضًا إذا انحصر صوت الحرف فی مخرجه انحصارًا تامًا فلایجری جریانًا سھلًا یسمی شدیدًا ... وأما إذاجرٰی جریاناً تامًا ولاینحصر أصلاً یسمی رخوة.(۱)

اس عبارت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مہموس من حیث ہومہموس میں نفس بلاصوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے اور "**فلایجری جریانًا سھلا**" سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہوگئی، پس چونکہ جہدالمقل کی عبارت مذکورہ فی السوال کا مفہوم بظاہر معارض ہے، **کتاب النشر فی القرأت العشر** اور **منح الفکریة** کی عبارات مذکورہ کے، لہذا امام جزری اور ملاعلی قاری کے مقابل صاحب جہدالمقل کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا، علاوہ ازیں جہدالمقل کی عبارت میں کاف وتاء متحرک مراد ہے یا ساکن یا مطلقاً متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا؛ کیوں کہ اول تو خود جہدالمقل کی عبارت ص:۶۰، میں "**حاصله أنھما ناقصان عند تحریک الحرف**" اس کے معارض ہے، دوسرے یہ کہ حرکت خود انفتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے، پھر "**ثم ینفتح**" کے کوئی معنی نہیں بنتے اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہوگئی؛ کیوں کہ متحرک کو بھی شامل ہے، پس لامحالہ مراد جہدالمقل کی عبارت مذکورہ سے کاف وتا ساکن ہے، پس اگر جہدالمقل کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف وتاء ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ "حرف ثم" تعقیب وتراخی کے لئے ہے، اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی اور اگر صوت مسموع غیر حرفی ہے تو اس کا عدم جواز اداء اعاجم ہونا نشر ومنح سے ثابت ہوگیا، پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرفی پیدا ہو تو لحن جلی ہوگا اور اگر غیر حرفی ہو تو لحن خفی ہوگا اور اگر جری صوت کا وہم وشبہ ہو تو یہ ادا مطابق اداء محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہئے اور غالباً مراد جہدالمقل کی یہی ہے، لہذا اکثر جگہ ان کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی اور یا یہ کہا جاوے کہ ان پر عجمیت غالب تھی اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریان نفس کثیر وصوت ضعیف کہا ہے، یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مراد جہدالمقل کی جریان نفس کثیر سے کثیر بنسبت حروف مجہورہ کے ہے، گو دیگر حروف مہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے، **لأن أدنی المخافتة ھو إسماع نفسه**، تو اس توجیہ پر جہدالمقل کی عبارت سے یہ صوت مخصوص؛ یعنی کاف وتاء مخلوط بہ ہاء ہوز بھی ثابت نہ ہوئی، پس کاف وتاء کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہاء ہوز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو، (جیسا کہ بعض سین مہملہ کی اور بعض تاء مثلثہ کی آواز

(۱) المنح الفکریة،باب صفات الحروف:۹۹،دارالغوثانی دمشق.انیس

نکالتے ہیں)اور حروف عربی مخلوط التلفظ حروف عجمی ہوجاویں،کانا کوکھانا اور أبتر کو أبتھر پڑھنا **ثقلت** کو **ثقلتھ** اور **ذکرک** کو **ذکرکھ** پڑھنا،اس طرح کی صفت ہمس ادا کرنا بالکل غلط و بےاصل ہے،نہ کسی ماہر ومحقق قاری سے سنا،نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے،البتہ بعض اعاجم مثل اہل خراسان وترکستان وایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد ویمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سنی ہے اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزری وملا علی قاری سے اس قسم کی ادا کی تغلیط ثابت ہوتی ہے، **کما ذکر** ،اس قسم کی ادا مخترع و بےاصل ہے تو ان بعض علما کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے، جو کہ کاف وتاء کو مجہورہ کہتے ہیں، نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تحفۂ نذریہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''و پیدا باد کہ در مقامۂ صفات حروف چناں فساد برپا کردہ کہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرور ست کہ کلام اللہ محرف گردد چہ می گوید کہ در وقف مہموسہ بعد سکون تاء وکاف آواز دیگر پیدا شود چوں معنی ایں قول از تلامذۂ او پرسیدند گفتند کہ در لفظ **خلقت خلقتس** باید گفت،یعنی بعد سکون تاء آواز سین ساکن باید برآورد، گو اجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود،ہمچنیں در کاف ساکن در وقف بعد سکون کاف یک سین ساکن بآواز خفیف باید گفت وہمچنیں در حروف قلقلہ ودیگر صفات فساد ہا اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ۔سبحان اللہ در عبارات کتب قرأت چہ غلط فہمی کردو کدام علم شریف را بجہل مرکب خود فاسد ساختہ''انتہی بقدر الحاجۃ۔(تحفۂ نذریہ،ص:۸،مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ)

نیز رسالۂ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ:۳۲ میں فرماتے ہیں:

''کاف را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف سماء گویند نگردد،خصوصاً وقتے کہ مکرر باشد مانند **بشرککم** و **ما قبل مهموسه** آید مانند **تستکثرو** البسیار احتیاط کند کہ صوت دراں جاری نہ شود، چنانچہ لغت بعضے عجمیانست،آھ۔

حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور ص:۳۵ میں فرماتے ہیں:

''کاف با کاف فارسی نیامیزد وہائے ہوز ہم درو پیدا نہ شود،خاصۃً وقتے کہ پیش از حرف مہموسہ در آید **تستکثروا** ہمچنیں اگر مکرر باشد نحو **بشرککم** ،آه.

وقال العلامة الجزري في مقدمته:

وراع شدة بكاف وبتاء☆كشر ككم وتتوفى فتنتنا.(۱) فقط والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم

كتبه العبد المسكين محمد يامين عفى عنه رب العالمين

معلم التجويد في مدرسة امداد العلوم تهانه بهون، اوائل صفر ۱۳۳۸ھ

(۱) المقدمة الجزرية،باب اللامات:۱٤،دار المغني للنشر والتوزيع.انيس

جواب نہایت صحیح ومدلل اور متقدمین ومتاخرین کی کتب وادا کے مطابق ہے۔

عبد الرحمن المکی ثم الإلٰہ آبادی عفی عنه

حضرت مولانا ومرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ علی برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا، احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے، احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، جن کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے، جو بفضلہٖ تعالیٰ اس جواب میں مع شئ زائد سب مضامین موجود ہیں، احقر بوجہ عدم فرصتی وبے سامانی اس حد تک نہیں کرسکا، اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کمترین خلائق عبد الوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ، خادم درجہ قرأت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارنپور

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا، اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بیساختہ قلب میں آیا ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست　　　آخر آمد زِ پسِ پردۂ تقدیر پدید (۱)

جزی اللّٰہ تعالیٰ مؤلفها خیر الجزاء.

اشرف علی، ۷/ربیع الاول ۱۳۳۸ھ۔ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۰۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۱۵-۳۲۶)

رسالہ "التدقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی" (۲):

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی هو نعم الوکیل، والصلوٰة والسلام علٰی رسوله النبی الجلیل وآله وصحبه الذین هم أولو البر والصبر الجمیل.

(۱) بخار دل: ۳۰، از میر محمد اسماعیل۔ انیس

(۲) تلخیص وتسہیل: نون مخفی ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نون مخفی کو علاوہ خیشوم کے اپنے مخرج (کنارۂ زبان اور تالو) سے کچھ ضعیف سا بھی تعلق ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر کنارۂ زبان کو تالو سے بالکل علیحدہ رکھ کر ادا کیا جائے گا، تو جوف اور خلا کی وجہ سے حرف مد پیدا ہوجائے گا، جس کی ممانعت کتب تجوید میں موجود ہے۔ مرعشی میں ہے:

یجب علی القاری أن یحترز فی حالة إخفاء النون من أن یشبع الضمة قبلها أو الفتحة أو الکسرة لئلا یتولد من الضمة واؤ فی مثل کنتم، ومن الفتحة ألف فی مثل عنکم.

اور اگر مابعد والے حرف کے مخرج پر زبان کو اعتماد ہوگا، تو ادغام کی صورت ہوجائے گی، اور اخفاء الحروف فی غیرہ صادق آئے گا، جو ادغام کی تعریف ہے؛ حالانکہ اخفاء کی تعریف اخفاء الحروف فی نفسہ لکھی ہے، رہی یہ بات کہ کتابوں میں نون مخفی کے متعلق لکھا ہے کہ لا عمل للسان تو اس سے مطلقاً عمل لسان کی نفی مراد نہیں ہے؛ بلکہ خاص اس عمل کی نفی مراد ہے جو اظہار کی حالت میں ہوتی ہے، یعنی زبان کو جو تالو کے ساتھ پورا اور قوی اعتماد ہوتا ہے، اس کی نفی کی گئی ہے۔ الحاصل مذکور الصدر طریق ادا پر اخفاء کی تعریف **حالة بین الإظهار والادغام** ٹھیک ٹھیک صادق آتی ہے کہ مثل ادغام کے نہ مابعد والے حروف کے مخرج سے نکلا نہ مثل اظہار کے پورا اور قوی اعتماد نون کے اصلی مخرج پر ہوا؛ بلکہ نہایت ضعیف اعتماد زبان کو تالو سے رہا اور پورا مخرج غنہ کا خیشوم رہا۔ تلخیص وتسہیل میں جناب قاری حفظ الرحمٰن صاحب کے حاشیہ تسہیل الفرقان بر جمال القرآن، ص: ۲۳ سے مدد لی گئی ہے۔ (سعید)

امابعد! نون مخفی کی ادامیں کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے،تقریباً نصف صدی سے اب تک قراء اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آرہے ہیں کہ نون کا مخرج بالکل ادا نہ ہو،صرف غنہ مابعد کے حرف سے مخروج ہوکر نکلے، جیسے اردو میں پنکھا، جنگ وسنگ،اور یہ ادااتنی شائع ذائع ہوئی کہ عرب وعجم مہرہ وغیرہ مہرہ سب اس میں مبتلا ہوگئے؛ حالانکہ اس ادائیگی میں اور تمام ادغام ناقص کی ادامیں مثل مَـنْ یَّـقُوْلُ،مِنْ وَّالٍ کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا، مجھے اس اداءاخفاء میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابراشکال رہا۔

لیکن اللہ کریم کا صدلاکھ شکر کہ امام العصر وحید الدہر رئیس القراء استاذ الاساتذہ حضرت شیخی وسیدی مولانا الحاج الحافظ المقری عبدالرحمٰن المکی الالہٰ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکا یک ایک مضمون ارقام فرمایا کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اداء اخفاء مروجہ (جو اس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا،صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہوتی ہے) صحیح نہیں؛ بلکہ اس طرح ہونی چاہئے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے؛یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعف ہو،چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل وعلل فرماکر اس مضمون عالی کو اپنے اس ناچیز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا، وہ مضمون عالی بتمامہ نہایت ہی معمولی توضیح وتشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ اور وہ بھی ملتقطاً،حسب ذیل ہے:

”لایقال لابد من عمل اللسان فی النون والشفتین فی المیم مطلقاً حتٰی فی حالة الإخفاء و الادغام بغنة وكذا للخیشوم عمل حتٰی فی حالة التحریک والإظهار فلم هٰذا التخصیص؛لأنهم نظروا للأغلب فحکموا له بأنه المخرج فلما کان الأغلب فی حالة إخفائهما أو ادغامهما بغنة عمل الخیشوم جعلوا مخرجهما حینئذ وإن عمل اللسان والشفتان أیضًا ولما کان الأغلب فی حالة التحریک والإظهار عمل اللسان والشفتین جعلوهما المخرج وإن عمل الخیشوم حینئذ أیضًا کما أفاده البعض عن العلامة الشبراملسی“.

اوران کے ارشد تلامذہ علامہ احمد دمیاطی اپنی کتاب **اتحاف فی القراء ات الأربعة عشر** میں لکھتے ہیں:

”یجب علی القاری أن یحترز من المد عند إخفاء النون فی نحو إِنْ کُنْتُمْ وعند الإتیان بالغنة فی النون والمیم فی نحو إِنَّ الَّذِیْنَ و إِمَّا فِدَاءً وهو خطاء قبیح وتحریف ولیتحرز أیضًا من إلصاق اللسان فوق الثنایا العلیا عند إخفاء النون فهو خطاء وطریق الخلاص منه أن تتجافٰی اللسان قلیلاً من ذلک “الخ مع الاختصار.(۱)

(۱) اتحاف فضلاء البشر فی القراء ات الأربعة عشر،الفصل السادس فی أحکام النون الساكنة: ٤٨،دار الکتب العلمیة بیروت.انیس

اور نهاية القول المفيد میں ہے:

"قال فی المرعشی:یجب علی القاری أن یحترز فی حالة إخفاء النون من أن یشبع الضمة قبلها والفتحة والکسرة ... ولیحترز أیضًا من المد عند الإتیان بالغنة فی النون والمیم فی نحو: إن الذین وإما فداء، وکثیراً مما یتساهل من یبالغ فی إظهار الغنة ... ولیحترز أیضًا من إلصاق اللسان فوق الثنایا العلیا عند إخفاء النون فهو خطأ أیضًا وطریق الخلاص منه أن یجافی اللسان قلیلاً عن ذلک" انتهٰی مع الاختصار.(۱)

اور امام جزری النشر فی القراء ات العشر میں لکھتے ہیں:

"المخرج السابع عشر:الخیشوم وهو الغنة وهی تکون فی النون والمیم الساکنین حالة الإخفاء أوما فی حکمه من الادغام بالغنة فإن مخرج هذین الحرفین یتحول فی هذه الحالة عن مخرجها الأصلی علی القول الصحیح کما یتحول مخرج حروف المد من مخرجها إلی الجوف علی الصواب".(۲)

پھر آگے أحكام النون الساكنة والتنوين کی تنبیهات میں لکھتے ہیں:

" الأول: أن مخرج النون والتنوین مع حروف الإخفاء الخمسة عشر من الخیشوم فقط ولاحظ لهما معهن فی الفم لأنه لاعمل للسان فیهما کعمله فیهما مع ما یظهران أوما یدغمان فیه بغنة".(۳)

اور ملا علی قاری المنح الفكرية میں لکھتے ہیں:

"وإن النون المخفاة مرکبة من مخرج الذات ومن تحقق الصفة فی تحصیل الکمالات".(۴)

اور امام مکی کتاب الرعایہ میں لکھتے ہیں:

" الإخفاء إنما هو أن تخفی الحروف فی نفسه لا فی غیره والادغام إنما هو أن یدغم الحرف فی غیره لا فی نفسه فتقول:خفیت النون عند السین وأخفیت النون عند السین ولا تقول: خفیت فی السین ولا أخفیتها فی السین وتقول: ادغمت النون فی الواو ولا تقول ادغمتها عند الواو فاعرف الفرق بین هذه التراجم تبن لک المعانی إن شاء اللّٰه تعالٰی".(۵)

امام شبراملسی، احمد دمیاطی، مرعشی، امام جزری، ملا علی قاری، امام محمد مکی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ

(۱) نهاية القول المفيد،الحال الرابع الإخفاء ، تتمة: ۱٦٦-۱٦٧،مكتبة الصفا.انيس

(۲) النشر فی القراء ات العشر،المخرج السابع عشر الخيشوم: ۱/ ۲۰۱،دار الكتاب الإسلامی بيروت،انيس

(۳) النشر فی القراء ات العشر،باب النون الساكنة والتنوين،تنبيها: ۲/ ۲۷،دار الكتاب الإسلامی بيروت،انيس

(۴) المنح الفكرية،المخرج السابع عشر الخيشوم: ۹٤،دار الغوثانی دمشق.انيس

(۵) الرعاية لتجويد القراء ة،باب بيان أحكام النون الساكنة والتنوی: ۲٦۹،دار عمار،انيس

نون مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے؛ لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے، مثلاً: شبراملسی نے مقلوب سے دمیاطی اور مرعشی نے **تجافی قلیل** سے اور جزری نے **کعملہ** کی قید سے اور پہلے قول میں **یتحول** کے لفظ سے اور محمد مکی نے **فی نفسه لا فی غیرہ** سے اور ملاعلی قاری نے **مرکبة من مخرج الذات** سے، اب جب کہ کلام ائمہ کے سیاق وسباق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق بایں قدر کہ پیدا نہیں ہوسکتی اور پہلے یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے اور ذات نون باطل ہو جاتی ہے اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے تو لامحالہ اس سے تولید حرف مدلازم آوے گی؛ کیوں کہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر الصاق تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدہ ہے، جو کہ محذور اور ممنوع ہے اور زیادۃ فی کلام اللہ ہے تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدہ بھی نہ ہو اور الصاق لسان بھی نہ ہو، یہی ہے کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو، جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رفع ہوگئی، صرف نزاع لفظی کی صورت ہوگئی، اب جب کہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں مخرج اصلی کو دخل ہے اور اس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہے تو نون خفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ وجنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہوگیا اور اس کی کوئی اصل نہیں، حالانکہ ہم لوگ عموماً خصوصاً اس میں مبتلا ہیں۔

ثانیاً یہ کہ اگر اعتماد مابعد کی کچھ اصل ہوتی تو **تتحول إلی الخیشوم** لکھنے کی ضرورت نہیں تھی؛ بلکہ **تحول إلی مخرج ما بعد الحروف** لکھتے، علاوہ بریں نون مخفی کے عندالجمہور پندرہ حروف ہیں اور امام جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سترہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، مگر اتنے مخارج والے حرف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارۃً بھی اعتماد مابعد الحروف کو ذکر نہ کرتے۔

ثالثاً یہ کہ چونکہ نون مخفی کی ادا میں تولید حرف مدہ کا مظنہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر لسان کو؛ یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہو تو حرف مدہ پیدا ہونا چاہئے، جیسے کہ ماسبق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے؛ حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا، پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا کہ اعتماد مابعد الحرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنہ کے لئے ہوتی ہے، جیسا کہ لکھتے ہیں:

"ویبالغ فی الغنة"۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کے تقویت نہیں ہوتی؛ بلکہ اور مانع عن الغنہ ہوتا ہے، جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے اَتُحَاجُّوْنِّیْ وغیرہ میں غنہ ادا نہیں ہوتا، اگر مدہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ دقت نہ ہوتی تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ!

"أن یبالغ فی الغنة أی فی إخراج حرف الغنة من الخیشوم"۔

رابعاً یہ کہ جہد المقل میں ہے:

فليحذر القارى عن إطباق أقصى اللسان إلى الحنک عند التلفظ بالغنة قبل القاف و الكاف.(۱)

اس تحذیر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ غنہ؛ یعنی نون مخفی قبل القاف والکاف کے ادا کرتے وقت اقصیٰ لسان کا حنک اعلیٰ سے اطباق نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ اردو میں پنکھا اور سنگ وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔

خامساً یہ کہ امام جعفر کے یہاں خاء اور غین میں بھی اخفاء ہوتا ہے اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ ادنیٰ حلق سے صوت خیشومی مفخم نہایت دقت سے ادا ہو؛ بلکہ اس میں غین وخاء کی کچھ بو وشائبہ بھی مسموع ہو، اسی کی کیا خصوصیت ہے؛ بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے وقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے، خصوصاً حروف مستعلیہ میں غنہ مفخم ادا ہوتا ہے اور یہ ممنوع ومنہی عنہ ہے، جیسا کہ نہایۃ القول میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے:

قال الحلبى فى شرحه: وزاد القاضى اللام والنون المخفاة وهووهم إذ ليس فيهم شائبة حرف آخرولم يقعا بين المخرجين.(۲)

اور ملا علی قاری شرح شاطبی میں لکھتے ہیں:

"إن النون المخفاة ليس فيها شائبة حرف آخرولم تقع بين مخرجين و كونها ذات مخرجين لايلزم بينيتها".(۳)

حلبی اور ملا علی قاری نے تصریح کردی کہ نون خفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے؛ کیوں کہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے اور مخرج اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجافی قلیل کے کالعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں، جو نون خفی کو حرف فرعی کہا جاوے اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو "**لم يقع بين مخرجين**" نہ لکھتے؛ بلکہ "**وقع بين المخرجين**" لکھتے اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے؛ کیوں کہ نون خفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی، دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا، پس حرف فرعی کی تعریف "**ما تردد بين المخرجين**" صادق ہو جاتی۔

سوال: چونکہ یہ ثابت ہوگیا کہ نون خفی کا مخرج خیشوم ہے اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف "**ما تردد بين المخرجين**"، تو صادق آگئی تو پھر حلبی اور ملا علی قاری نے "**لم يقع بين مخرجين**" کیوں لکھا؟

جواب: یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے؛ یعنی: "**لم يقع بين مخرجين متغائرين حرفاهما**" اور حرف

---

(۱) جهد المقل، النون الساكن: ۲۰۵، دارعمار. انيس

(۲) نهاية القول المفيد، الفصل الأول فى بيان معنى المخرج وكيفيته ومعنى الحرف لغةً واصلاحاً وعد الحروف والحركات الأصلية والفرعية: ۵۰، مكتبة الصفا. انيس

(۳) وكذا فى نهاية القول المفيد، الباب الأول فى بيان ما يتعلق بمخارج الحروف: ۳۴، دارالكتب العلمية، انيس

مابعد کے اعتماد؛ یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا، "**وقع بين مخرجين متغائرين حرفاهما**" اور "**وقوع بين مخرجين متغائرين حرفاهما**" کولازم ہے "**تردد بين المخرجين**"؛ جیسا کہ الف ممالہ، صاد مشمہ، ہمزۂ مسہلہ ہوتا ہے، حالانکہ یہ معلوم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، پس اسی واسطے حلبی نے اس کی فرعیت سے انکار کر دیا؛ لیکن چونکہ ملاعلی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے؛ یعنی "**ماعدل عن مخرجه الأصلي و الصفة الذاتية**"، لہذا اس تعریف کے بموجب نون خفی ولام مفخم بھی فرعی ہی رہے گا۔

سادساً یہ کہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی **درة الفريد** میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ!
"**ولايخفى مافيه من اللطف والدقة**".

اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا؛ یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو دقت کیا تھی؟ دقت اس میں ہے کہ اظہار والا بھی اعتماد نہ ہو اور ادغام والا بھی اعتماد نہ ہو، علاوہ بریں شیخ کو اخفاء ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی، جب کہ ادغام ناقص اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں تھا۔

سابعاً یہ کہ جمیع اہل فن سلفاً وخلفاً یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے، یہ فرق سب لکھتے ہیں اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں:

"**هو شدة اتصال الحرفين مع امتزاجهما في السمع بحيث يرتفع اللسان ارتفاعًا واحدًا**". (۳)

اب ہم لوگ جو مابعد کے طرف پر زور دے کر اخفاء ادا کرتے ہیں، اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے اور تعریف مذکور صادق آجاتی ہے، مگر تشدید ناقص جیسا کہ **أحطت** اور **بسطت** کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔

ثامناً یہ کہ مرعشی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں، ان میں نون اقرب الی الاظہار ہوگا اور اقرب الی الاظہار جب ہی ادا ہوگا، جب نون کو اپنی اصلی مخرج سے تعلق ہو اور اعتماد زیادہ ہو، حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فاء وقاف وکاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا، لہذا ان تمام ادلہ اور نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف اور اداء مروجہ باطل اور بے اصل ہے اور اس کے رواج کی وجہ محض مہرہ تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصعب میں اسہل جذب ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ طبیعت کا اہتمام اصعب

(۳)　**الإدغام:**
لغةً: إدخال الشيء في الشيء.
واصطلاحاً: التقاء حرف ساكن بحرف متحرك بحيث يصيران حرفاً واحداً مشدداً يرتفع اللسان عند النطق بهما ارتفاعة واحدة. (الوافی فی کیفیة ترتيل القرآن الكريم، أحكم النون الساكنة والتنوين: ۳۱، دارالكتب العلمية. انیس)

کی طرف ہوتا ہے، جس سے اسہل میں خرابی آجاتی ہے تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے، اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو سہل الخروج ہے، جذب ہوجاتا ہے، لہذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہوگیا۔

سوال: اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ اخفاء کی تعریف ہے: **"حالة بين الإظهار والادغام عار من التشديد"**(۱) اور بینیۃ جب ہی ہوگی، جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو؟

جواب: یہ ہے کہ عار من التشدید بمنزلہ فصل کے ہے اور اس لگاؤ؛ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہوجاوے گا، جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے، حالانکہ اخفاء میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی ونون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں تباین ہوتا ہے اور اس اعتماد سے مخفی ومدغم بادغام ناقص میں مثل **"من يقول"** کے کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے، جس سے ادغام کی تعریف صادق آجاتی ہے۔

حالت بین الاظہار والادغام کے معنی یہ لکھتے ہیں: **" لا إظهار فيه ولا ادغام"** اظہار کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا اور ادغام کے معنی ہیں: **"خلط حرف بحرف بحيث يرتفع اللسان ارتفاعًا واحدًا مع شدة الاتصال فيهما"** (۲) اور خلط کی تین صورتیں ہیں یا تو خلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے، جیسے **قُلْ رَّبِّ** میں ہے، یا قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے **"مَنْ يَّقُوْلُ ومِنْ وَّالٍ"** میں ہے، یا خلط مع شدۃ الاتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے **أحطت** میں ہوتا ہے، اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ لیجئے، اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی، اس لئے اظہار نہ ہوا اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے اور صفت غنہ بھی باقی ہے، لہذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام میں ستر ذات یا صفت کا ہوتا ہے اور یہ ستر اخفاء میں بھی ہے، مگر ادغام خلط اور شدۃ الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہونی چاہئے، لہذا اب اخفاء کی تعریف بین الاظہار والادغام بھی صادق آگئی اور الاظہار والادغام بھی صادق آگیا، اسی واسطے تو محققین نے ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے، **"الإخفاء: إخفاء حرف في نفسه عند غيره لا في غيره"**، **في نفسه** کے

---

(۱) الإخفاء حالة بين الإظهار والإخفاء وهو عارمن التشديد.(سراج القارى المبتدى وتذكار المقرى المنتهى،باب أحكام النون الساكنة والتنوين: ۱۰۲،مصطفى البابى الحلبى مصر.انيس)

(۲) الإظهار لغة البيان واصطلاحاًإخراج الحرف من مخرجه من غيرغنة فى الحرف المظهر.(الوافى فى كيفية ترتيل القرآن الكريم،تعريفات مهمة: ۲۳۱،انيس)

الإدغام لغة إدخال الشيء في الشيء واصطلاحاً هو التقاء حرف ساكن بحرف متحرك بحيث يصيران حرفا مشدداً كالثانى يرتفع اللسان عنده ارتفاعة واحدة.(المختصر المفيد فى أحكام التجويد،أحكام النون الساكنة والتنوين: ۶۱۰،مؤسسة الإيمان بيروت.انيس)

معنی أی فی مخرجه،اورعند غیره کے معنی أی عند حروف الإخفاء لا غیر،لا فی غیره کے معنی أی لا فی مخرج غیره اورادغام میں لکھتے ہیں:"هو إخفاء حرف فی غیره أی فی مخرج غیره"،اس تفریق کے بعدمعلوم ہوگیا کہ اعتماد مابعد سے لازم آوے گا إخفاء الحرف فی غیره،وهذا خلاف ماصرحوا به.

سوال: دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام سخاوی وامام دانی نے یاء اور واو میں ادغام ناقص کولکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں؛ بلکہ وہ اخفاء ہے؟

جواب: یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کی؛ بلکہ تمام کی نفی کی ہے؛ کیوں کہ تیسیر میں لکھتے ہیں:

"والباقون یدغمون فیهما أی فی الواو والیاء لکن القلب الصحیح ممتنع فیهما".(۱)

اس آخری جملہ سے معلوم ہوگیا کہ نفی قلب کامل کی ہے،باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشا ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے"حالة بین الإظهار والادغام"اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم قسیم ہیں،چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے،لہٰذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کردیا،ورنہ حقیقۃً دونوں جدا جدا مستقل ہیں اور متبائن؛ کیوں کہ اتنی عبارت بین الإظهار والادغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التشدید بطور قید کے جس کی دانی وسخاوی نے بھی تصریح کی ہے یہ بمنزلہ فصل کے ہے،اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے؛ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے،اس سے تو اخفاء کو ادغام سے چاہے ناقص ہی کیوں نہ ہو،کچھ مناسبت ہی نہیں ہے،صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے؛ یعنی محض مطلقاً استتار-اسی واسطے امام جزری اور ملاعلی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ اطلاق دانی وسخاوی کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے،یا یہ کہا جاوے کہ ان حضرات کی اصطلاح ہی جدا ہے،جیسا کہ لکھتے ہیں:الإخفاء مابقیت معه الغنة،(۲)اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کا جہاں کچھ اثر باقی رہے،وہ اخفاء ہے،مگر پھر تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب وخلط وبلا تشدید،جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے اور کہیں مع القلب والخلط والتشدید مع الغنہ،جیسا کہ من یقول اور من وال میں ہوتا ہے اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید،جیسا کہ أحطت میں ہوتا ہے،اب ان ہی کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ادغام ناقص اور اخفاء دونوں غیر ہیں اور وہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

(۱) والباقون یدغمونها فیهما ویبقون الغنة فیمتنع القلب الصحیح مع ذلک.(التیسیرفی القراء ات العشر، ذکر الحرفین المتقاربین فی کلمة وفی کلمتین:٤٥،دارالکتاب العربی بیروت.انیس)

(۲) النشر فی القراء ات العشر،الإخفاء:۲/۲۸.دارالکتب العلمیةبیروت. انیس

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخفاۃ نون مظہر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو، نہ اس کے مخرج پر اعتماد ہو۔ "وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين" فقط

عبداللہ مرادآبادمدرسہ امدادیہ، المنتصف ۱۳۴۵ھ

تصدیق از استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی

إن هذا لهو الحق والحق أحق أن يتبع.

عبدالرحمٰن بن محمد بشیر خان الہٰ آبادی۔ (تتمہ خامسہ، ص: ٦٦٠) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۳۲۷-۳۳۷)

قرأت کی ایک غلطی اور اس کا حکم:

سوال: اگر امام نے جمعہ کی نماز میں ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُلِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کے بجائے ﴿وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بھول سے پڑھ دیا تو نماز جمعہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

نمازِ جمعہ ہوگئی۔

كما في الفتاوىٰ الهندية: ۱/ ۸۰ (۱): ومنها ذكر كلمة مكان كلمة علىٰ وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۲/۷۸-۷۹)

"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ وَجْهَهُ" پڑھنے پر نماز کا حکم:

سوال: زید نماز فرض ادا کر رہا تھا اور سورۂ قصص کی تلاوت کر رہا تھا، آخری آیت "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" کے بجائے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ وَجْهُهُ" پڑھ دیا تو آیا نماز صحیح ہوگی یا فاسد؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی۔

"أو نقص كلمة، الخ. (الدرالمختار: ۱/٤٢٥)

وإن غيرت مثل فَمَا لَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ بترك لا فإنه يفسد عند العامة وقيل: لا، والصحيح الأول، آه. (ردالمحتار: ۱/٤٢٥، مطلب مسائل زلة القاري) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

(۱) الباب الرابع في صفة الصلاة الخ، الفصل الخامس في زلة القاري، انيس

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی ـ ۵/۱۱/۱۴۰۲ھ ـ (حبیب الفتاویٰ:۸۱/۲)

"لایسجدون" کے بجائے "یسجدون" پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ (۱) کی تلاوت کی اور "لا" کو چھوڑ دیا؛ یعنی "یسجدون" پڑھا، اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصیاً

نماز فاسد ہو جائے گی۔

"قرأ ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ وترک "لا"، تفسد صلاته عند العامة لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالىٰ به لو اعتقد ذلک یکفر فإذا أخطأ تفسد صلاته وقیل: لا تفسد لأن فيه بلویٰ وضرورة والصحیح هو الأول". (الفتاویٰ الخانیة: ۱۵٤/۱) (۲) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی ـ (حبیب الفتاویٰ:۲/۷۹-۸۰)

"أليس هٰذا بالحق" کے بعد "نعم" کہہ دیا نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام نے نماز کی حالت میں ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ (۳) کے بعد "نعم" کہہ دیا، نماز فاسد ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصیاً

نماز فاسد ہوگئی۔

"قال: أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ، قالوا نعم، أو قرأ" وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ" قالوا نعم، تفسد صلاته؛ لأن "بلىٰ" إذا ذكر عقيب النفي يراد به رد النفي والتصديق في الإثبات "ونعم" يكون تصديقاً في النفي". (الفتاویٰ الخانیة: ۱۵۳/۱) (۴) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی ـ (حبیب الفتاویٰ:۲/۷۸)

نماز میں موسیٰ بن لقمان پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام کے نام کے آگے لقمان کا اضافہ کر کے موسیٰ بن لقمان پڑھ دیا، اس کی نماز

(۱) سورة الإنشقاق: ۲۱. انیس
(۲) فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقراءة، انیس
(۳) سورة الأحقاف: ۳٤، انیس
(۴) فصل فی قراءة القرآن خطأ و فی الأحکام المتعلقة بالقراءة، انیس

درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

نماز درست ہوگئی۔

"ولوقرأ عیسٰی بن لقمان تفسد ولوقرأ موسٰی بن لقمان لا،لأن عیسٰی لا أب له وموسٰی له أب أنه أخطأ فی الاسم،کذا فی الوجیز للکردری". (۱)فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۲/۷۹)

"فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ" میں "فِیْ" چھوٹ گیا:

سوال: امام صاحب نے نماز میں "فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ" کی بجائے "فَادْخُلِیْ عِبَادِی" پڑھ دیا، کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

معنیٰ میں کوئی فساد نہیں آیا؛ اس لیے نماز ہوگئی۔

فإنّه یجوز حذف أداة الظرف،کما فی ادخلوا الجنّة.فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم

۲۹/شعبان ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۷۸-۷۹)

فجر کی نماز میں آیت "یَقُوْلُ الْإِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ" میں "اَیْنَ" چھوٹ گیا:

سوال: عرض تحریر فجر کی نماز میں امام صاحب نے "اَیْنَ" چھوڑ دیا اور پڑھا: "یَقُوْلُ الْإِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ الْمَفَرُّ"، نماز صحیح ہوگئی، یا نہیں؟ (مستفتی: مولانا صابر، نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

امام صاحب "أَیْنَ الْمَفَرُّ" میں صرف "اَیْنَ" بھول گئے تو نماز درست ہوگئی؛ اس لئے کہ اس سے معنیٰ میں تغیر فاحش نہیں پایا گیا، جو حکم فساد صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔

"فالأصل فیها عند الإمام محمد تغیر المعنی تغیرًا فاحشًا". (نور الإیضاح،باب زلة القاری: ۸٦)
واللّٰہ أعلم وعلمه أتم

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۲/ ۸۰ (الباب الرابع فی صفة الصلاة الخ،الفصل الخامس فی زلة القاری،انیس) کذا فی ردالمحتار: ۱/ ٦٤۲.

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔(فتاویٰ شاکر خان:۸۶/۲)

سورۂ زلزال میں ''خَیۡرًا'' کی جگہ ''شَرًّا'' پڑھنے سے نماز ہوجائے گی:

سوال: سورۂ زلزال میں ''خَیۡرًا'' کی جگہ ''شَرًّا'' پڑھ لیا، بعد میں ''خَیۡرًا'' پڑھ لیا، اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نماز ٹوٹی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــ باسم ملهم الصّواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا؛ اس لیے نماز درست ہوگئی، سجدۂ سہو واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ؍ شوال ۱۳۹۷ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۱/۳)

لفظ عذاب کی جگہ لفظ عطاء پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عطاء جو قرآن (سورۂ ہود:۱۰۸) میں آیا ہے، وہ موقع انعام وجزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے، اگر کوئی شخص اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ؟ یا اعادۂ نماز مستحب ہوگا یا نہ؟

الجواب ـــــــــ

فی فتاویٰ قاضی خان: إن تغیر المعنی بأن قرأ ﴿إِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ وَإِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ﴾ أو قرأ ﴿إِنَّ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِکَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّةِ﴾ أو قرأ ﴿وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡهَا غَبَرَةٌ﴾، ﴿أُولٰئِکَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ تفسد صلاته لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالیٰ به.(۱)

چونکہ صورت مسئولہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش ہوگیا، لہٰذا اقتضاء قاعدہ فساد ہے؛ لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اس کو تہکم پر محمول کیا جاوے؛ جیسے: فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ، اور اس کا مقتضا عدم فساد ہے، اول کا مقتضا وجوب اعادہ ہے، نہ کہ ثانی کا،(۲) **والأول أحوط والثانی أوسع.**

۲۱ ؍ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد:۹۲/۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۴۴۳/۱-۴۴۴)

نماز میں ''وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقٰی'' کی جگہ ''الۡاَشۡقٰی'' پڑھا، نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں ''وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقٰی'' کی جگہ ''الۡاَشۡقٰی'' پڑھی، نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱) قاضی خان علی هامش الهندیة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقراءة: ۱۵۳/۱، انیس

(۲) یعنی ثانی کا مقتضا وجوب اعادہ نہیں ہے، سعید

(مستفتی: مولوی مجاہد ادگاوں)

الجواب

جب صورت مسئولہ میں امام نے "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى" کی جگہ "الْاَشْقٰى" پڑھی، جس سے معنیٰ بالکل بدل گئے، تغیر معنیٰ فاحش پایا گیا اور صحیح کا اعادہ بھی نہیں کیا تو نماز فاسد ہوگی، نماز دہرائی جائے۔

"**فالأصل فيها عند الإمام محمد تغير المعنى تغيرًا فاحشاً وعدمه للفساد وعدمه مطلقاً سواء كان اللفظ موجودًا فى القرآن أولم يكن،الخ.** (نور الإيضاح،باب زلة القارى:٨٦) **والله أعلم وعلمه أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان:۲/۸۶-۸۷)

نماز میں "يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" کی جگہ "يَاأَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" پڑھا:

سوال: میں نے "يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" کی جگہ "يَا اَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" پڑھا، نماز درست ہوئی یا نہیں؟ (مستفتی: عبداللہ پونہ)

الجواب

بشرطِ صحت سوال چونکہ مذکورہ صورت میں حرف "ت" اس طرح حذف ہوا ہے کہ جس سے معنیٰ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے نماز درست ہوگئی۔

"**ومنها حذف حرف... وإن لم يكن علىٰ وجه الإيجاز والترخيم فإن كان لايغير المعنىٰ لا تفسد صلاته نحو أن يقرأ: وَلَقَدْ جَاءَ هُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ بترک التاء من جاء ت،الخ.** (الفتاویٰ الهندية: ۷۹/۱)(۱) **والله أعلم وعلمه أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان:۲/۸۷)

نماز میں "لَتَرَوُنَّهَا" کی جگہ "لَتَرَءُ نَّهَا" پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر امام نماز میں "لَتَرَوُنَّهَا" کی جگہ "لَتَرَءُ نَّهَا" پڑھے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟ (مستفتی: مبین دونڈ)

الجواب

نماز صحیح ہوگی، نماز میں کچھ خرابی نہ ہوگی۔

"**ولوزاد كلمة أونقص كلمة أونقص حرفاً أوقدمه أوبدله بآخر نحو ... انفرجت بدل انفجرت لم تفسد (صلاته) ما لم يتغير المعنىٰ إلا مايشق تمييزه كالضاد والظاء فأكثرهم لم**

(۱) الفتاویٰ الهندية،الفصل الخامس فى زلة القارى: ۷۹/۱،دار الفكر بيروت.انيس

يفسدها''.(الدر المختار)

وفی الشامية تحت قوله إلا ما يشق الخ:قال القاضی أبو عاصم:إن تعمد ذلک تفسد،وإن جریٰ علٰی لسانه أو لایعرف التمییز لاتفسد وهو المختار.حلية.(رد المحتار:۳۹٦/۲)(۱)**والله أعلم وعلمه أتم**

مفتی محمد شاکرخان قاسمی پونہ۔(فتاویٰ شاکرخان:۲/۸۷-۸۸)

اگر التحیات کی جگہ طاحیات پڑھ دیا،تو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ! کسی شخص نے بسبب سہو یا جلدی یا عدم صحت، بجائے ''**التحیات**'' لفظ ''**طاحیات**'' پڑھا،نماز اس کی ہوگئی، یا نہیں؟ اور پڑھنے والے پر گناہ ہوا، یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب

نماز ہوگئی؛(۲) مگر جو غفلت سے یا جان کر ایسا کلمہ پڑھا، گنہگار ہوگا۔ فقط **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔(مجموعہ کلاں:۲۳۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

زلۃ القاری کی درستگی کے بعد نماز کا صحیح ہونا:

سوال: اگر کسے '' **أَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ**''خواندہ، فی الفور تصحیحش نمودہ نماز ادا کرد، نمازش صحیح باشد یا نہ؟

الجواب

فی الهندية:ذكر فی الفوائد:لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا قال عندی صلاته جائزة وكذلک الإعراب،۵۱.(۵۱/۱)(۳)

قلت: وكذلک سمعت شيخی مولانا محمد يعقوب رحمه الله تعالیٰ.

پس بناءً علیہ نماز ایں کس صحیح باشد۔(۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار،باب مفسدات الصلاة،مطلب مسائل زلة القاری،انیس

(۲) نماز اس لئے ہوگئی کہ '' زَلَّتْ ''[غلطی سہواً] کا تعلق صرف قرأت کے ساتھ ہے۔(پالن پوری)

(۳) الباب الرابع فی صفة الصلاة الخ،الفصل الخامس فی زلة القاری،انیس

(۴) خلاصۂ سوال: اگر کوئی شخص ''أما من ثقلت إلخ'' پڑھ جائے، پھر فوراً ہی صحیح کرلے،تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟
خلاصۂ جواب: نماز صحیح ہوجائیگی۔
وضاحت: جو زلت مفسد نماز ہے، اگر اسی رکعت میں اس کا تدارک کرلیا جائے، یعنی لوٹا کر صحیح پڑھ لیا جائے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔حضرت مجیب قدس سرہ نے ''صحت صلوٰۃ'' کو اختیار کیا ہے۔اور عالمگیریہ کے جزئیہ اور حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کے قول سے استشہاد کیا ہے۔

==

یکم محرم یوم الثلا ثاء ۱۳۳۴ھ۔(تتمہ رابعہ:۴)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۵۱-۲۵۷)

== طحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۶۷، بحث زلۃ القاری میں الفتح الرحمانی فی فتاوی السید ثابت ابی المعانی للشیخ حامد مرزا الفرغانی النمنگانی:۱/۱۶۳، مجموعہ فتاویٰ سعدیہ ص:۵۲، کتاب عماد الدین ص:۱۶۴ (مؤلفہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری) عمدۃ الفقہ:۲/۱۳۰ (مؤلفہ مولانا سید زوار حسین صاحب) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (جدید) جلد چہارم سوال:۱۴۱۵-۱۴۳۹-۱۴۴۳، فتاویٰ دارالعلوم (قدیم) ۲/۲۳۱ (امدادالمفتین) میں بھی صحت صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے؛ کیونکہ اس قسم کی غلطی سے احتراز ناممکن ہے، لہٰذا دفعاللحرج اور عموم بلویٰ کے پیش نظر صحت صلوٰۃ کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

الفتح الرحمانی میں ہے:

مسئلہ : إن الصلوٰة إذا جازت من وجوه وفسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطًا،إلا في باب القراء ة، لأن للناس عموم البلوى،كذا في الظهيرية،اه.

دوسرا قول: البتہ شیخ عبد الوہاب بن احمد بن وہبان دمشقی (وفات ۷۶۸ھ) نے اپنے منظومہ میں فساد صلوٰۃ کو اختیار کیا ہے،فرماتے ہیں:

"وان لحن القاری،وأصلح بعده:اذا غير المعنى،الفساد مقرر".

فتاویٰ کاملیہ،ص۱۳میں ہے:۔

"سئلت عمن لحن في الصلاة لحنا يغير المعنى،ثم أعاد ما لحن فيه صحيحًا،هل تفسد صلاته؟فالجواب أن صلاته تفسد بذلك وإن أعاد،وقد أشار إلىٰ ذلك صاحب الوهبانية بقوله:وإن لحن إلخ قال شارحها الشرنبلالي: صورتها: المصلي إذا لحن في قراء ته لحنًا يغير المعنى كفتح لام"الضالين"لاتجوز صلاته،وإن أعاد بعدها على الصواب والله أعلم ،اه

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"إن أراد أن يقرأ كلمة فجرىٰ علىٰ لسانه شطر كلمة أخرى،فرجع وقرأ الأولىٰ،أوركع ولم يتم الشطر إن قرأ شطرًا من كلمة لو أتمها لاتفسد صلاته،لاتفسد صلاته بشطرها،وإن ذكر شطرًا من كلمة لو أتمها تفسد صلاته،تفسد صلاته بشطرها،وللشطر حكم الكل،هو الصحيح اھ(الفتاوىٰ الخانية علىٰ هامش الهندية المطبوعة مسيرية :۱/۱۵۳، فصل قراء ة القرآن خطأ،إلخ)

فیصلہ: اختلاف روایات کے وقت فیصلہ کی دوراہیں ہوتی ہیں۔ترجیح یا تطبیق،حضرت مجیب قدس سرہ نے اور مذکورالصدر حضرات نے ترجیح کی راہ اختیار کی ہے اور صحت صلوٰۃ کو ترجیح دی ہے،بعض حضرات تطبیق کی راہ اختیار کرتے ہیں،پھر تطبیق کی دوصورتیں ہیں،اول فساد صلوٰۃ کی روایت فرائض کے لئے اور صحت صلوٰۃ کی روایت نوافل وتراویح کے لئے،دوم فساد صلوٰۃ کی روایت احتیاط وتقوی اور استحباب اعادہ پر محمول کی جائیں،جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند(قدیم)۲/۲۳۲ میں ہے کہ"حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اگر اعادہ کرایا ہوتو وہ احتیاط اور اولویت کا درجہ ہے،چنانچہ بہتر یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کرلیا جائے"اھ،اور فتویٰ صحت صلوٰۃ پر ہو۔

لأن في باب القراء ة عموم البلوى كما في الظهيرية. واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم (سعید احمد پالنپوری)

اضافہ: مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر احقر نے مختلف علماءِ کرام کی خدمت میں ایک استفتاء روانہ کیا تھا،جس میں دونوں رائیں ذکر کرکے فیصلہ دریافت کیا گیا تھا،جواباً حضرت مولانا سید محمد یحییٰ صاحب مدظلہ مفتی مظاہر علوم نے تطبیق کی پہلی صورت اختیار کرتے ہوئے ارقام فرمایا: ==

== عم مجدہم (مفتی دارالعلوم دیوبند) آپ کا استفتا آنے کے بعد تقریباً ۲۰ ریوم بمبئی رہے...... پرسوں تشریف لائے تھے، تو آپ کے استفتا کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی...... (انہوں نے) زبانی یہ جواب دیا کہ!

''تراویح میں چونکہ قرآن پاک ختم کرنا مقصود ہوتا ہے اور ایسی زلات کا وقوع بعید نہیں ہوتا، بلکہ اس قسم کی زلات پیش آتی ہیں، اس لئے تراویح ونوافل میں توسع ہونے کی وجہ سے، عدم فساد کو اختیار کیا جائے گا، اور ہندیہ کا جزئیہ اس پر محمول ہوگا اور وہبانیہ کا فرائض پر للجمع بین الروایات الفقہیہ'' (تم الجواب) اس تطبیق کے دل کو نہ لگنے پر فرمایا کہ اگر دل کو نہ لگنے کا منشاء شرعی ہو، تو ایسا دل کو نہ لگنا معتبر ہوگا ورنہ نہیں اور یہاں منشاء یہ ہے کہ ''جو چیز ایک جگہ مفسد ہو وہ دوسری جگہ بھی مفسد ہوگی'' (یہ) شرعی منشا نہیں ہے۔ فرض ونفل بہت سے امور میں متفاوت ہوتے ہیں، مثلاً فرض میں بلا عذر قعود مفسد ہے، نفل میں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، غرض کہ نوافل میں توسع ہے، فرائض میں نہیں ہے، اور فرمایا کہ جو مسئلہ پہلے سے مختلف فیہا ہے اس میں فیصلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے سوائے تطبیق کے اور کوئی صورت نہیں ہے، انتہی کلامہ...... والسلام یحییٰ۔ یکشنبہ ۱۵/۱۳۹۳/۴ھ

مذکور جواب کے علاوہ دیگر جوابات میں ترجیح صحت صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جواب از دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت)

......عوام کو عمل کے لئے ثانی رائے کو ترجیح دیتا ہوں، اس میں تخفیف ہے۔ **یفتٰی بقول الطحطاوی تخفیفاً للناس بعد تدارک** فساد کا حکم برقرار رکھنا سمجھ میں نہیں آتا، خصوصاً تراویح میں تو بہت حرج ہوگا، اعادۂ صلوٰۃ دشوار ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

عبدالغنی کاوی کان اللہ لہ مدرس اشرفیہ راندیر (سورت) ۱۸/ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ

(۲) از جناب مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری، صاحب ''فتاویٰ رحیمیہ''۔

''اس قسم کی غلطی اور لغزشوں سے احتراز ناممکن ہے، خصوصاً تراویح میں، اگر اصلاح کے بعد بھی فساد کا حکم قائم رکھا گیا تو ناقابل برداشت تنگی لازم آئے گی، لہٰذا دفعاً للحرج اور عموم بلویٰ کے پیش نظر مفتی کو صحت صلوٰۃ کا قول اختیار کرنا چاہئے (اس کے بعد متعدد کتابوں کے حوالے ہیں جو ہم نے اوپر درج کئے ہیں) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر السید عبدالرحیم اللاجفوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔ راندیر مؤرخہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

(۳) از دارالعلوم دیوبند (جواب نمبر: ۲-۱۴۲)

''تدارک زلۃ کے بعد صحت صلوٰۃ وعدم صحت کے بارے میں بلاشبہ فقہا کی دو رائیں نظر آتی ہیں، اور احقر اصحاب ترجیح میں سے نہیں کہ مستقلاً دلائل ترجیح پیش کر کے اپنی تحقیق کے ماتحت ترجیح دے اور نہ ہی اپنا ذوق اس درجہ کا نظر آتا ہے کہ فقہاء کرام سے معارضہ کر سکے، البتہ احقر دوسری رائے (صحت صلوٰۃ کی رائے) کو اس لئے معمول بہ رکھتا ہے کہ اپنے اکابر کا اسی طرف رجحان ہے اور ان کے ذوق میں بھی اسی رائے کو ترجیح ہے جیسا کہ جناب نے خود امداد الفتاویٰ۔ امداد المفتین، فتاویٰ دارالعلوم سے نقل فرمایا ہے۔ **وکفی بھم قدوۃ**.

اور حضرت گنگوہیؒ سے جو بظاہر خلاف منقول ملتا ہے اس کی تاویل بھی امداد المفتین میں مذکور ہے۔ نیز صاحب طحطاوی علی الدر، محققین فقہا میں سے ہیں اور متاخر ہیں اور ان کے سامنے بھی بلاشبہ یہ دونوں رائے تھیں اور اس کے باوجود ثانی رائے کو ترجیح دی ہے، نیز عالمگیری کی تصریح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ اپنے زمانہ کے چوٹی کے منتخب علما کی ایک بڑی جماعت کی انتخاب کردہ وترجیح دادہ رائے یہی رائے ثانی ہے۔

نیز یہی رائے اشبہ بالفقہ بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ زلۃ امام، خطأً کثیر الوقوع ابتلاء عام کے درجہ میں ہے، بالخصوص غیر عالم لوگوں اور عجمیوں میں اور یہ خود تسہیل کا متقاضی ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ ==

حروف کی غلط ادائیگی سے نماز میں فساد وعدم فساد کی تفصیلی بحث:

سوال: حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم

المرام آنکہ احقر کو ایک مسئلہ کے متعلق ٹھوس اور آخری تحقیق مطلوب ہے، متعدد علماء کرام سے استفسار کر چکا ہوں؛ لیکن ہنوز اطمینان میسر نہیں آیا، اللہ کرے آپ ہی کی بدولت یہ مسئلہ حل ہو جاوے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فقہا نے زلۃ القاری کے باب میں ابدال حرف بحرف آخر کی صورت میں نماز کے فساد اور عدم فساد کی جو صورتیں بیان فرمائی ہیں، مثلاً یہ کہ معنیٰ میں تغیر ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ ساری بحث ابدال خطا ہی کے بارے میں ہے، یا ابدال عجز، ابدال عمد کا بھی یہی حکم ہے، تشویش یہ ہے کہ اگر ابدال عجز کا بھی یہی حکم ہے، تب تو نماز کے صحیح ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہوسکتی؛ اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی حرف کے صحیح ادا کرنے پر قادر ہی نہیں تو

==

(تتمة): وأما قطع بعض الكلمة عن بعض،فأفتىٰ الحلواني بأنه مفسد،وعامتهم قالوا:ولا يفسد لعموم البلوى في انقطاع النفس والنسيان،الخ.(ردالمحتار: ۵۹۱/۱)(كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب مسائل زلة القارى،انيس)

اس توسع وتسہیل وعدم فساد کی تائید فقہا کی اور بھی بہت سی عبارتوں سے ہوتی ہے۔مثلاً یہ عبارت:

(قوله وكذا لو كرر كلمة الخ):قال في الظهيرية:وإن كرر الكلمة،إن لم يتغيربها المعنى لا تفسد،وإن تغيرنحورب رب العالمين،ومالك مالك يوم الدين،قال بعضهم لاتفسد،والصحيح أنها تفسد،وهٰذا فصل يجب أن يتأتىٰ فيه لأن فيه دقيقة،وإنما تقع التفرقة في هذا بمعرفة المضاف والمضاف اليه،اه.

قلت:ظاهره أن الفساد منوط بمعرفة ذلك،فلوكان لايعرفه،أولم يقصد معنى الإضافة اهـ،وإنما سبق لسانه إلىٰ ذلك أوقصد مجرد تكرير الكلمة لتصحيح مخارج حروفها ينبغي عدم الفساد الخ.(ردالمحتار: ۵۹۲/۱)(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب إذا قرأ قوله"تعالىٰ جدك"بدون ألف لا تفسد،انيس)

اس عبارت میں خط کشیدہ جملوں کے علاوہ سبقت لسانی وقصد تصحیح میں عدم فساد کا حکم خاص طور سے قابل توجہ ولحاظ ہے، نیز دوسری رائے کا اشبہ بالفقہ ہونا اس لئے اور بھی اقرب الی الفہم ہوتا ہے کہ زلۃ امام خطاً پر مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے قبول کرکے اصلاح کرلیا، تو فاتح وآخذ، کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی، بلکہ سب کی نماز صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور یہ مسئلہ غیر اختلافی ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔

كما في الدرعلى الشامي: ۵۸۲/۱ :(بخلاف فتحه علىٰ إمامه)فإنه لايفسد (مطلقًا)لفاتح وآخذ بكل حال.(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

حالانکہ اس صورت میں غیر سے (مقتدی سے) استمداد کا ایہام ہوتا ہے جو فساد میں زیادہ مؤثر ہونا چاہئے، بخلاف اس کے کہ از خود بغیر کسی سے استمداد وغیرہ کے، اصلاح کرلے تو جب غیر سے استمداد کے بغیر از خود اصلاح کرلے گا تو بدرجۂ اولیٰ نماز فاسد نہ ہونی چاہئے ،وہو ظاہر اس لئے ہماری تو قطعی رائے، دوسری رائے (صحت صلوٰۃ) سے اتفاق کی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔۱۳۹۳/۵/۷ھ، الجواب صحیح، لاریب فیہ۔احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔۱۳۹۳/۵/۸ھ

اس کی نماز کے صحیح ہونے کو معنیٰ کے تغیر پر موقوف رکھنے کا کیا معنیٰ؟ اور ایسے ہی اگر اس تفصیل کو ابدال عمد پر بھی لاگو کیا جائے تو پھر قرآن کے الفاظ کی کوئی صورت اہمیت ہی کی باقی نہیں رہتی؛ اس لئے کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب تک معنیٰ نہ بدلیں، خواہ کوئی شخص جان بوجھ غلط سلط اور کچھ کا ہی کچھ کیوں نہ پڑھتا رہے، اس کی نماز پر فساد کا حکم نہیں کیا جاسکتا، نیز اس سے عمداً اور خطا دونوں کا مساوی ہونا معلوم ہوگا، حالانکہ دوسرے احکام شرعیہ میں عمداً اور خطا میں بڑا فرق ہے؛ چنانچہ قتل خطا کے بارے میں تو ارشاد باری یہ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ الخ،(۱)

اور قتل عمد کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ هُ جَهَنَّمُ﴾ (الآية)(۲)

نیز زلۃ کے لفظ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل ابدال خطا ہی سے متعلق ہے؛ اس لئے کہ عجز اور عمد دونوں کے بارے میں زلۃ کے لفظ کا استعمال کوئی معنیٰ نہیں رکھتا؛ لیکن بعض حضرات کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنا تحریف کا موجب تو ہے، مگر نماز اس سے اسی صورت میں فاسد ہوتی ہے کہ معنیٰ بھی بدل جائیں، حالانکہ تحریف ایک بدترین عمل ہے، چنانچہ بعض حضرات نے تعمد کو کفر کا موجب بھی بتایا ہے، چنانچہ شرح فقہ اکبر میں یہ عبارت موجود ہے:

"وفی المحیط: سئل الإمام الفضلی عن من یقرأ الظاء مکان الضاد أوبالعکس فقال لا تجوز إمامته و لو تعمد یکفر". (۳)

چنانچہ شامی میں خزانۃ الأکمل کے حوالہ سے قاضی ابو عاصم کا جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ!

"إن تعمد ذلک تفسد، وإن جری علٰی لسانه أو لایعرف التمییز لا تفسد". (۴۶۸/۱)(۴)

اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ تعمد بہر حال مفسد ہے اور عجز بہر حال غیر مفسد؛ اس لئے آنجناب سے ملتمس ہوں کہ اس بارہ میں آخری اور انتہائی تحقیق کو پہنچا ہوا فیصلہ صادر فرمائیں کہ آیا جب تک معنیٰ میں تغیر فاحش نہ ہو، اس وقت تک نماز نہیں ٹوٹتی یا یہ کسی شخص کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے، خواہ معنیٰ نہ بھی بدلیں، جیسے کوئی شخص عمداً "یعلمون" کو "یفعلون" اور "ولا الضآلین" کو "ولا الظالین" پڑھے؛ کیوں کہ بعض

(۲-۱)　سورۃ النساء: ۹۲-۹۳، انیس

(۳)　شرح الفقه الأکبر

(۴)　ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ و ما یکره فیها، مطلب إذا قرأ قوله "تعالٰی جدک" بدون ألف لا تفسد، انیس

غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فقہا نے چونکہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز قرار نہیں دیا؛اس لئے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ جائز ہے،اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی،تب تو ان کی بات ثابت ہو جاتی ہے، نیز ابدال کی ایک صورت اور بھی ذہن میں آتی ہے کہ قاری تو صحیح پڑھ سکتا ہو؛لیکن تساہل اور بے پرواہی برتے جس سے غلط پڑھا جائے؛اس لئے اس صورت کا بھی حکم بیان فرماویں، نیز قاضی ابو عاصم کے کلام میں عجز کی دو صورتیں مذکور ہوئیں؛یعنی ایک ''جری علٰی لسانه''اور دوسری''لایعرف التمییز'' ان کی بھی وضاحت فرمائیں، برائے کرم اپنے فتویٰ میں فقہا کی عبارتیں بھی بمعہ حوالاجات درج فرمائیں؛ کیوں کہ احقر آپ کے جواب کو اپنی ایک کتاب کا حصہ بنانا چاہتا ہے۔فقط والسلام مع الآداب والاکرام

(قاری محمد شریف لاہوری حال مقیم مسجد ریاض، دہلی سوداگرانی کالونی،شہید ملت روڈ)

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف) ابدال حرف بحرف آخر کی آٹھ صورتیں ہیں:

(۱) ابدال،زلۃ وخطا(باوجود قدرت ادا اور یادداشت کے مشاق وواقف کی زبان سے خطاً بے اختیار وبلا قصد وارادہ سبقت لسانی سے ایک حرف کے بجائے دوسرے حرف کا نکل جانا اور اسی کو ابدال جریان علی اللسان کہتے ہیں)۔

(۲) **إبدال عجز وعذر** (**آناء اللیل وأطراف النهار**، پوری محنت ومشقت اور انتہائی ریاضت ومجاہدہ کے باوجود بحکم شیخ کامل وماہر واستاذ معتمد ومستند تمایز حروف وتعدد وتفریق مخرج سے عاجز وبے بس ہونا اور ان کے تغایر پر قدرت نہ رکھنا عام ہے کہ عذر فطری وخلقی ہو، جیسے لثغت (توتلا پن) یا غیر فطری ہو، جیسے غلظت لسان وعدم مطاوعت فم (زبان کا سخت اور اکھڑ ہونا)۔

(۳) ابدال سہو ونسیان (ذہول وبھول سے ایسا ہو جانا)۔

(۴) ابدال شک وتردد (شبہ اور ظن سے ایسا کرنا) یہ دونوں صورتیں ابدال زلت والی صورت کے ساتھ ملحق ہیں ؛کیونکہ ان میں بھی قصد وارادہ کا دخل نہیں۔

(۵) **إبدال تعمد بالاعتقاد والإصرار**، (اپنے قصد واختیار اور دلی اعتقاد ویقین سے اور عینیت واتحاد کی قطعیت سے جان بوجھ کر بنیت تحریف وتبدیل ہمیشہ اور ہر جگہ ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف پڑھنا اور ان کے تغایر کا مجود وانکار کرنا)۔

(۶) **إبدال تعمد مع القدرة وتغیر المعنی بلا اعتقاد وإصرار**، (صحیح ومجوود ومتمائز کی ادا پر قدرت رکھتے ہوئے طوعاً وقصداً تبدیلی حرف کرنا، جب کہ معنیٰ بھی متغیر ہو جائیں، مگر اعتقاد واصرار نہ ہو عام ہے کہ اس کا منشا نزاع

وفساد ہو، یا ضد وعناد یا خوف فتنہ یا استغراب ہو)۔

(۷) **إبدال تعمد مع القدرة بلا اعتقاد وتغير وإصرار** (قدرت ادا کے باوجود ارادۃً تبدیلی کرنا، جب کہ اعتقاد وتغیر اور اصرار ومداومت نہ ہو، عام ہے کہ تاویل وشبہ کی بنا پر ہو یا بے پرواہی کہ وجہ سے ہو)۔

(۸) **إبدال بالقصد مع عدم التميز** (عوام وخواص غیر مشاق کا عدم مشق وریاضت اور تساہل وتکاسل وغفلت وبے خیالی کے سبب یا بے علمی وناواقفیت وجہالت کے یا تجوید وتصحیح کی ضرورت وفرضیت سے ناواقف ہونے کے سبب تبدیلی حروف کرنا اور تصحیح وتمیز کی طرف سے لاپرواہی وبے توجہی برتنا)۔

آئندہ بیان سے ان سب صورتوں کے احکام ومسائل متعلقہ نماز معلوم ہوں گے۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

(ب) قدما فقہاء حنفیہ کے نزدیک فساد صلاۃ کا مبنی ومدار (بصورت زلۃ القاری) تغیر معنیٰ، انقلاب مراد الٰہی، مخالفت مفہوم یا احتمال مطلب پر ہے اور متاخرین کے یہاں فساد صلوٰۃ کا منشا بصورت وضع حرف مکان حرف آخر تمایز بالسہولۃ وفصل بالمشقت ہے اور تفصیل یہ ہے:

اول قدماء احناف کا مسلک کلی زلۃ القاری میں یہ ہے کہ اگر اس سے ایسا تغیر فاحش معنوی ہو جائے، جس کے اعتقاد سے کفر لازم آجاتا ہو تو اس سے مطلقاً (عمداً ہو خواہ سہواً یا زلۃً وخطأً) نماز فاسد ہو جائے گی، سوائے بے موقع وقف ووصل کے مقامات کے۔(مثلاً: وَلاَ تَـقْرَبُوا الصَّلٰوةَ. لاَ إِلٰهَ. أَصْحٰبُ النَّارِ. اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ. عُـزَيْـرُنِبْـنُ الـلّٰـهِ. وَإِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ) کہ ان میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر تغیر معنوی مادون کفر؛ مگر فاحش وقوی وغیر موافق ہو، جس سے انقلاب معنیٰ اور فساد مراد لازم آئے کہ ہر دو معنیٰ میں کسی قسم کی بھی مناسبت متصور نہ ہو سکے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی (مثلاً: **هذا الغراب** کی جگہ **هذا العباد** اور **تبلى السرائر** کی جگہ **تبلى السرائل**) اور اگر تغیر معنوی بعید مادون فاحش یا تغیر قریب یا موافق ہو تو فاحش نہ ہوگی، اسی طرح اگر زلۃ وخطا حروف کی ہیئات (اعراب وتشدید وغیرہ) میں ہو، تب بھی مفسد صلوٰۃ نہیں، الا یہ کہ وہ فاحش وبعید ہو، اسی طرح اگر غلطی کلمات وآیات میں واقع ہو اور وہ کلمہ یا آیت مبدل عنہا قرآن میں موجود ہو تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔(**هكذا قال الحلبي في غنية المستملي. وكذا في فتاوىٰ السعدية والشامية والخانية وغيرها من الكتب الفقهية**)

اور واضح ہو کہ قاضی خان(۱) کی تمام جزئیات مستنبطہ اور فروع مستخرجہ (در باب زلۃ القاری) اسی قول قدما پر ہی متفرع ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) **ولو قرأ ﴿وَالْعَادِيَاتِ ظَبْحًا﴾ بالظاء تفسد صلاته.**

(۱) فتاویٰ قاضی خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية، باب فيما يفسد الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأً وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۴۱-۱۴۷، انیس

(۲) وكذا لو قرأ ﴿غَيْرِ الْمَغْظُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ بالظاء وبالذال تفسد صلاته.

(۳) ولو قرأ ﴿وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ بالظاء وبالذال تفسد صلاته.

(۴) ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ قرأ فترظٰى بالظاء تفسد صلاته.

(۵) ﴿كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ﴾ قرأ بالظاء قال بعضهم لا تصح.

اسی طرح مندرجہ ذیل اغلاط بھی بر قول متقدمین بسبب تغیر معنیٰ یا اہمال مفسد ہیں۔

(۶) فَرَضَ کی جگہ فَرَظَ یا فَرَذَ (۷) وَتَلَذ میں ضاد وظاء، مِمَّا ذَرَأَ اور وَذَرُوْا میں بھی ضاد وظاء، لَأَذَقْنٰكَ اور وَذَلَّلْنٰهَا تَذْلِيْلاً (۸) فَظًّا غَلِيْظًا میں ضاد، فَظَلَّتْ میں ضاد و ذال، بِظَلاَّمٍ میں ذال (۹) لاَ انْفِصَامَ میں سین، خَصِيْمًا میں سین (۱۰) سَرَبًا میں صاد (۱۱) الصَّخْرَة، يَخْصِفٰنِ میں سین (۱۲) سَوْطَ، قَسْوَة میں صاد، اسی طرح (۱۳) سَدِيْدًا میں صاد (۱۴) صُبْحًا میں سین، اسی طرح (۱۵) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں سین (۱۶) وَالصَّيْفِ میں سین (۱۷) وَصُمُّوْا میں سین (۱۸) حُسُوْمًا میں صاد (۱۹) مُتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا میں سین (۲۰) وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ میں دال (۲۱) بَطَشَ، الْبَطْشَةَ میں تا (۲۲) الصِّرَاطَ میں تا (۲۳) أَمْطَرْنَا اور مَطَرًا میں تا (۲۴) فِطْرَةَ اللّٰهِ (۲۵) وَالطُّوْرِ (۲۶) لَوْلاَ أَنْ رَّبَطْنَا (۲۷) لُوْط میں تا (۲۸) أَلَمْ يَجِدْكَ میں دال کی جگہ تا (۲۹) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں تا (۳۰) طَائِفَةٌ میں تا (۳۱) وَالتِّيْنِ میں طاء (۳۲) يَدْخُلُوْنَ میں تا (۳۳) أَحَدٌ، وَلَمْ يُوْلَدْ میں دال کے بجائے تا۔

پس ان تمام جزئیات میں عوام وخواص سب کا حکم یکساں ہے اور اسی طرح عموم بلویٰ اور عدم معرفت تمایز کا لحاظ نہیں کیا گیا، پس یہ قول احتیاط وانضباط پر مبنی ہے۔(۱)

دوم متاخرین احناف (ابن مقاتل، ابن سلام، اسماعیل زاہد، ابوبکر بلخی، نہدارانی ابن فصل، حلوائیؒ وغیرہم) کا قاعدہ کلیہ (وضع حرف مکان حرف آخر کے بارے میں) یہ ہے کہ اگر اس سے معنیٰ متغیر نہ ہوں (مثلاً: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ کی جگہ اِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ، اِنَّ الظَّالِمِيْنَ کی جگہ اِنَّ الظَّالِمُوْنَ) تو نماز بہرحال فاسد نہ ہوگی۔ (سوائے تعمد واعتقاد واصرار والی صورت کے) اور معنیٰ کے تغیرل وتبدل کی تقدیر پر اگر وہ دونوں حرف ایسے ہوں کہ ان میں آسانی سے جدائی ممکن ہے، جیسے طاوصاد، باوتاء اور جیم ولام وغیرہا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر وہ دونوں حرف

---

(۱) كما في ردالمحتار: والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير المعنى تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك، سواء كان في القرآن أولا إلا ما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تام وإن لم يكن التغيير كذالك فإن لم يكن مثله في القرآن والمعنٰى بعيد متغير تغيرًا فاحشًا يفسد أيضًا. (كتاب الصلاة، مطلب مسائل زلة القاري: ۴۷۳/۲، طبع مكتبة رشيدية، كوئٹہ) (باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، انيس)

ایسے ہوں کہ ان میں بغیر مشقت وکلفت کے فرق وامتیاز ممکن نہیں ہے؛ جیسے ضاد وظاء اور صاد وسین اور تاء وطاء اور ذال وظاء اور قاف وکاف (مثلاً: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کی جگہ غَيْرِ الْمَغْظُوْبِ اور الصَّمَدُ کی جگہ السَّمَدُ اور أَطْهَرُ کی جگہ أَتْهَرُ اور تَلَذُّ کی جگہ تَلَظُّ اور فَلَا تَقْهَرْ کی جگہ فَلَا تَكْهَرْ پڑھے) تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر ائمہ مشائخ کا قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور اکثر مشائخ کبار (ابومطیع بلخی، ابوالقاسم محمد بن سلمہؒ وغیرہ) نے حروف مشکلہ متغیر المعنیٰ میں عموم بلویٰ ودفع حرج اور ضرورت ورخصت اور وسعت کی غرض سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جب کہ بلا تعمد ہو، ورنہ بصورت تعمد بحالت تغیر معنیٰ اتفاقاً مفسد ہے)۔ (هكذا في الفتاوىٰ البزازية والفتاوىٰ الهندية وفتاوىٰ قاضيخان وفتح القدير وخلاصة الفتاوىٰ وغنية المستملي وردالمحتار المعروف بالشامية)(۱)

(ج) اب مندرجہ بالا قواعد وضوابط کی روشنی میں ابدال حرف بحرف آخر کی آٹھوں صورتوں کے احکام الگ الگ تحریر کئے جاتے ہیں۔ (والله هو الموفق وهو الهادي)

(۱) ابدال زلت (اور اس کے دونوں ملحقات یعنی) ابدال سہو ونسیان، ابدال شک وتردد، (ابدال غلط مع عدم العلم) کا بھی یہی حکم ہے، (یعنی غلطی سے تبدیلی حرف کرنا؛ جبکہ قاری کو اپنی غلطی کا علم نہ ہو) ان صورتوں میں تغیر معنیٰ یا اہمال لازم آئے، نیز دونوں حرفوں میں تمایز اصوات سہولت سے ممکن ہو تو باتفاق قدماء ومتاخرین حنفیہ اور اگر صرف تغیر معنوی ہو مگر تمایز سہولت سے نہ ہو سکے تو صرف متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہے اور اگر عدم امکان فصل بلا مشقت اور عدم تغیر معنوی ہو تو اتفاقاً نماز غیر فاسد ہے اور بصورت عدم تغیر معنی بالاجماع غیر فاسد ہے، عام ہے کہ دونوں حروف سہل التمیز ہوں یا عسیر التمیز ہوں؛ کیونکہ حقیقت کی رو سے نماز کی صحت اور اس کا فساد صحت معنی اور فساد معنیٰ کے تابع ہے، چنانچہ تمام کتب فقہ میں متاخرین کا قاعدہ مذکورہ تغیر المعنی کی قید سے مقید ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی اور ایک قول (قاضی ابوالحسنؒ، قاضی امام ابوعاصمؒ اور صفارؒ کا) یہ ملتا ہے کہ زلت وخطا جریان ولغزش کی صورت میں مطلقاً نماز غیر فاسد ہے، خواہ تغیر معنیٰ ہی لازم آجائے اور وہ دونوں سہل التمایز ہی ہوں، بزازیہ میں اس قول کو اعدل الاقاویل

(۱) وأما المتأخرون كابن مقاتل... فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقاً ولو اعتقاده كفرًا... وإن كان الخطأ بإبدال حرف بحرف فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ... فاتفقوا على أنه مسفد وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد... فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوىٰ، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مسائل زلة القاري: ۴۷۴/۲، مكتبة رشيدية)

(۲) قال القاضي أبوالحسن والقاضي أبوعاصم إن تعمدفسدوإن جرى على لسانه أو كان لا يعرف التمييز لا يفسد وهو أعدل الأقاويل وهو المختار. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، الثاني عشر في زلة القاري: ۴۲/۴، دارالفكر بيروت. انيس)

اور مختار قرار دیا ہے(۲)اور آج کل عموم بلویٰ اور ضعف حفظ وضبط کی وجہ سے اس قول پر جائز ہے۔

(۲)　ابدال بعجز وعذر (عدم قدرت) اس صورت میں نماز اجماعاً بہر حال غیر فاسد ہے،تغیر ہو،خواہ نہ ہو،نیز دونوں حرفوں میں عسر الفصل ہو،خواہ نہ ہو،پس اس میں قاری کو معذور ومجبور،مصیب ومعفو عنہ تصور کیا جائے گا اور نہ تو اس کی نماز ہی باطل ہے اور نہ وہ خود گنہگار ہے؛ بلکہ با وجود تکلف ومشقت کے اگر ادا نہ ہوگا تو بھی اجر ملے گا،اجر مشقت واجر قرأت۔

عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتعتع فیه وهو علیه شاق فله أجران".(متفق علیه)(۱)

لیکن احتیاطاً وہ تصحیح وتجوید کی کوشش ومحنت کرتا رہے،اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا تو خوف مواخذہ ہے،اس صورت کے حکم مذکور کے دلائل یہ ہیں:

(۱)　﴿لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾(۲)

(۲)　﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾(۳)

(۳)　امداد الفتاویٰ:۱۸۲/۱ فصل تجوید میں ہے:

''وجواب خامس تتمہ ہم دارد،وآں اینکہ بفساد صلاۃ (ای بصورت تغیر معنیٰ) برفتویٰ متاخرین عام نیست؛ بلکہ مخصوص است بقادر برادائے صحیح،اما غیر قادر پس نمازش وہمچنیں امامتش صحیح خواں را وغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است،خواہ بصورت دال خواند خواہ بصورت ظاء کہ آں لغت او گشتہ''۔(۴)

(۴)　امداد الفتاویٰ:۱۸۰/۱ پر ہے:

''کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے پڑھنے کی کوشش کرے،اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے''۔(۵)

(۵)　امداد ج۱/ باب القراءۃ ص۱۵۳ پر ہے:''لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز ہی صحیح نہیں غلط ہے؛ کیوں کہ ائمہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں،پس

(۱)　جامع الترمذی،باب ماجاء فی فصل القاری القرآن: ۱۱۸/۱،طبع ایچ ایم،سعید،کراتشی/الصحیح للبخاری،رقم الحدیث:۴۹۳۷/الصحیح لمسلم،باب فضل الماهر فی القرآن،رقم الحدیث:۷۹۸،واللفظ له.انبیس

(۲)　سورۃ البقرۃ:۲۸۶۔

(۳)　سورۃ الحج:۱۷۔

(۴)　امداد الفتاویٰ،فصل فی التجوید:۲۴۴/۱،مطبوعہ مکتبہ دار العلوم،کراچی

(۵)　امداد الفتاویٰ،فصل فی التجوید:۲۴۲/۱،مطبوعہ مکتبہ دار العلوم،کراچی

(۶)　مذکورہ کتاب دستیاب نہیں ہے،لیکن امداد الفتاویٰ:۲۱۳/۱ میں مذکور ہے

جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوٰۃ کی وجہ وتوجیہ نہیں معلوم ہوتی''۔(۱)

(۲) قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رسالہ تلفظ ضاد(۱) میں فرماتے ہیں: ''اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور شخص امی ہوگا اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا''۔(۲)

(۳) **إبدال تعمد بالاعتقاد و الإصرار**. اس میں فساد صلاۃ اقل احوال اور مظنہ کفر منتہی احوال ہے، ایسا کرنا تحریف صحیح اور قطعاً حرام ہے، نہ تو ایسے شخص کی نماز درست ہے اور نہ ہی امامت اور نہ ہی کوئی اور عمل وعبادت، تغیر معنیٰ ہو خواہ نہ ہو، نیز اس لفظ کا مثل قرآن میں موجود ہو خواہ نہ ہو و نیز فصل...... سہل ہو خواہ عسیر و شاق، اس پر جمیع متقدمین ومتاخرین کا اجماع واتفاق ہے، دلائل:

(۱) ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾(۳)

(۲) ﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوُنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ﴾(الآية)(۴)

(۳) **الطحطاوی علی المراقی** کے باب **زلة القاری، مسئلة: الخطاء فی الإعراب** میں ہے:

" أما لو تعمده مع مايغير المعنٰی كثيرًا أويكون اعتقاده كفرًا فالفساد حينئذٍ أقل الأحوال".(۱۸۶)(۵)

(۴) **وفی المحيط: سئل الإمام الفضلی عمن يقرأ الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة، أو يقرأ أصحاب الجنة مكان أصحاب النار، أوعلى العكس فقال: لايجوز إمامته ولو تعمد (أی مع انقلاب المراد وفساد المعنٰی والاعتقاد) يكفر.** (شرح الفقه الأكبر)

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر، ص: ۲۰۵ میں رقمطراز ہیں:

قلت: "أما كون تعمده كفرًا فلا كلام فيه إذا لم يكن فيه لغتان(ففی ضنين الخلاف، سامی).(۶)

(۵) عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے؛ کیوں کہ یہ شخص بنیت تحریف وفساد اعتقاد قرآن کے ایک مستقل حرف کو قصداً وارادۃً واصراراً دوسرے حرف سے بدل رہا ہے۔

(۴) **إبدال تعمد مع القدرة وتغير المعنٰی بلا اعتقاد.**

---

(۱) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں ہے؛ لیکن امداد الفتاویٰ: ۲۰۹/۱، میں مذکور ہے۔

(۲) كما فی ردالمحتار: وكذا من لا يقدرعلى التلفظ بحرف من الحروف أولا يقدرعلى إخراج الفاء إلا بتكرار، الخ. (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی الألثغ: ۳۹٤/۲، طبع مكتبة رشيدية، كوئٹه)

(۳) سورة النساء: ٤٦۔

(۴) سورة آل عمران: ۷۸۔

(۵) الطحطاوی، تكميل مسئلة زلة القاری تحت باب ما يفسد الصلاة: ۳۳۹، طبع قديمی كتب خانة كراچی

(۶) منح الروض الأزهر علٰى شرح الفقه الأكبر، فصل فی القراءة والصلاة، ص: ٤٥٧، طبع دار البشائر، بيروت

یہ صورت بھی مطلقاً باجماع جمیع متقدمین ومتاخرین احناف موجب فساد صلوٰۃ واثم ومعصیت ہے، ایسا شخص مرتکب خطاء فاحش وتحریف وغلط قبیح ہے، مگر بصورت عدم فساد اعتقاد واصرار ومداومت اس میں خوف کفر نہیں۔

طحطاوی میں ہے:

"ومحل الاختلاف(أی بین الطرفین وأبی یوسف فی حالة تغیر المعنٰی تغیرًا فاحشًا)فی الخطاء والنسیان أما فی العمد فتفسد به مطلقاً بالاتفاق(أی سواء کان اللفظ موجودًا فی القرآن أولم یکن)إذاکان مما یفسد الصلاة أما إذا کان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذلک أفاده أمیر حاج.(۱)

(۵) إبدال تعمد مع القدرة بلا تغیر واعتقاد وإصرار.

اس صورت میں قاری مصلی دنیوی وظاہری وفقہی حیثیت سے بری الذمہ اوراخروی وباطنی حیثیت سے **دیـــانةً فیـمابینه وبین اللّٰه تعالٰی** مرتکب تحریف وتبدیل قرآن، نیز آثم وعاصی ہے، پس اس کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ اس پر صحت بمعنی برأت ذمہ کا حکم لگایا جائے گا، نہ کہ صحت بمعنی قبول واجابت اور رفع اثم ومعصیت کا بھی اور جواز بمعنیٰ صحت صلاۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں، نہ کہ صحت صلاۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلاۃ کو ہے، چنانچہ ریاءً نماز پڑھنا، یا ارض مغصوبہ میں نماز پڑھنا، ان دونوں صورتوں میں جواز بمعنی برأت ذمہ وصحت صلوٰۃ ظاہراً موجود ہے، نہ کہ جواز بمعنی رفع اثم باطناً بھی، پس ان میں ترتیب اجر وثواب اور قبول اجابت (**بـمـعـنـی الـوقـوع فـی حیـز مرضاة اللّٰـه**) مفقود ہے، نہ کہ جواز وصحت صلوٰۃ بھی۔ اس کی مزید وضاحت ان احادیث ودلائل سے ہوتی ہے:

(۱) **"من شرب الخمر فلا تقبل له صلاة أربعین صباحًا".**(۲)

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے:

"من شرب الخمر فلا تقبل له صلاة أربعین صباحًا".

(۳) **"من أتی عریفًا لاتقبل صلاته".**(۳)

(۱) تکمیل مسئلة زلة القاری تحت باب مایفسد الصلاة: ۲۳۹، طبع قدیمی کتب خانة، کراچی

(۲) مـجـمـع الزوائد، کتاب الأشربة، رقم الحدیث: ۸۱۹۱، ۱۱۱/۵، طبع دار الفکر، بیروت) (اصل الفاظ اس طرح ہیں: "من سکر من الخمر لم تقبل له صلوٰة أربعین یومًا. (مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۸۱۸٦، ۱۰۹/۵، انیس)

(۳) جـامـع الأصول، رقم الحدیث: ۳۰۷٦: ٦۷/۵، دار الکتب العلمیة، بیروت (اصل الفاظ اس طرح ہیں: "من أتی عرافًا فسأله عن شئ فصدقه، لم تقبل له صلوٰة أربعین یومًا". انیس)

(۴) "إذا أبـق الـعبـد لم تقبل له صلاة". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب تسمیة العبد الآبق کافرًا: ۵۸/۱، رقم الحدیث: ۷۰، بیت الأفکار، انیس

(۴) "لا تقبل صلاة العبد الأبق". (۴)

(۵) "لاتقبل صلوٰة فی الأرض المغصوبة". (۱)

(۶) مسافر عاصی پر بھی قصر صلاۃ اور صحت صلاۃ بمعنی برأت ذمہ لگایا جاتا ہے، خلاصہ یہ جواز اصابۃ اور جواز قبول میں تلازم نہیں۔

(۷) فساد صلاۃ کے لئے تغیر معنیٰ کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ نماز میں اصل مقصود اور اس کی حقیقی روح اور اس کا اصلی مغز مناجات و مکالمہ ربانی، قربت حق اور عبادت (انتہائی درجہ کی نیاز مندی، عبودیت کیشی، اظہار بے بسی و بے چارگی، تذلل للخالق، اعلان عبدیت (فدائیت) ہو؛ اسی لئے قرأت صلوٰۃ کے لئے تجوید کی مقدار **ما یجوز به الصلاة** کفایت کرلیتی ہے اور اس میں تجوید کے تمام افراد و قواعد کا استیعاب لازمی نہیں، پس جب تک تغیر معنوی سے اس مقصود اصلی کی مخالفت لازم نہیں آئے گی، اس وقت تک فساد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مفتاح الصلاۃ میں مرقوم ہے:

"ومدار الإمامین (أی الإمام الأعظم ومحمد) علیٰ تغیر المعنیٰ سواء وجد المثل أو لا".

البتہ تعمداً اس ابدال کو عادت بنالینا اور اس پر اصرار و مداومت ضرور مذموم و مفسد صلاۃ ہے، تغیر معنیٰ ہو خواہ نہ ہو؛ کیوں کہ اس سے عقیدہ کی خرابی مترشح ہوتی ہے۔ (۲)

فساد صلوٰۃ کے لئے تغیر معنیٰ کے شرط ہونے کے دلائل:

(۱) فتاویٰ شیخ ابن نجیم حنفیؒ (صاحب البحر الرائق) کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہے:

"سئل عن المصلی إذا أبدل الضاد بالظاء فی (الضالین) وغیرها هل تفسد صلاته مع قدرته علی النطق بالضاد؟ أجاب: الراجح عدم الفساد". (۳) واللّٰه أعلم

اس سے متبادر یہی ہے کہ تعمداً ابدال حرف بحرف آخر بصورت عدم تغیر معنیٰ مفسد نہیں۔ (۴)

(۲) امداد الفتاویٰ، باب القرأت: ۱۵۲/۱ پر ہے: "تغیر معنی کی تقدیر پر (ابدال حرف بحرف آخر) موجب

---

(۱) جامع الأصول، رقم الحدیث: ۳۰۷۶: ۶۷/۵، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) مفتاح الصلاۃ موجود نہیں، شامی میں دیکھئے: والقاعدة عند المتقدمین أن ما غیر المعنیٰ تغییرا یکون اعتقاده کفرا یفسد فی جمیع ذلک. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، مسائل زلة القاری: ۴۷۳/۲، طبع رشیدیة کوئٹة)

(۳) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۲۵/۱، طبع دار العلوم کراچی (فتاویٰ ابن نجیم الحنفی صاحب البحر الرائق علی هامش الفتیاویٰ الغیاثیة، کتاب الصلاة: ۸، المطبعة الأمیریة بولاق. انیس)

(۴) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۱۳/۱، طبع دار العلوم، کراچی

(۵) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۴۴/۱، طبع دار العلوم، کراچی

فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے‘‘۔(۵)

(۳) امداد ج ار فصل تجوید، ص:۱۸۱ پر ہے:

’’صحت وفساد صلاۃ تابع صحت معنیٰ وفساد است؛ لیکن معصیت در ہر دو صورت مشترک‘‘۔(۱)

(۴) امداد الفتاویٰ ہی میں ہے:

’’گو یہ ابدال تحریف ہے؛ لیکن ہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست‘‘ الخ۔(۲)

(۵) امداد الفتاویٰ ج:ا رص:۱۸۰ پر ہے:

’’قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے، گو بوجہ عموم بلویٰ کے نماز فاسد نہیں ہوتی‘‘۔(۳)

(۶) **الکبیری، ص:۴۴۸، باب أحکام زلة القاری، بحث: وصل حرف بکلمة فی التلاوة (مثلاً: إیاک نعبد، أعطینا کالکوثر)** میں ہے:

’’فإن صلاته لا تفسد علیٰ قول العامة من العلماء، قال قاضیخان: لاتفسد وإن تعمد ذلک فی شرح التهذیب وهو الصحیح‘‘.(۴)

پس جب وصل حرف بالحرف تعمداً میں نماز فاسد نہیں ہوتی بسبب عدم تغیر المعنی تو اسی طرح ابدال حرف بحرف تعمداً بلا تغیر المعنی میں بھی فاسد نہیں ہونی چاہئے۔

دفع شبہات:

﴿پہلا شبہ﴾:

اگر تغیر وعدم تغیر معنیٰ والی تفصیل ابدال عمد میں بھی جاری کی جائے تو پھر الفاظ قرآن کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی؛ اس لئے کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب تک معنیٰ نہ بدلیں، خواہ کوئی شخص جان بوجھ کر غلط سلط اور کچھ کا کچھ ہی کیوں نہ پڑھتا رہے، اس کی نماز پر فساد کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

﴿جواب﴾:

نماز بلا شبہ تعمداً اس پر اصرار کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ ووظیفہ بنالینا اور بدعقیدگی سے اس پر مداومت کرنا تحریف مذموم ومفسد صلوٰۃ ہے، خواہ تغیر معنیٰ نہ ہی ہو۔ (جس کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں، ابدال تعمد باعتقاد واصرار عنوان کے تحت۔)

(۱) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۴۴/۱، طبع دار العلوم، کراچی

(۲) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۴۲/۱، طبع دار العلوم، کراچی

(۳) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۲۴۴/۱، طبع دار العلوم، کراچی

() الحلبی الکبیر، فصل فی بیان أحکام زلة القاری: ۴۸۱/۱، طبع سعید کتب خانة، کوئٹة

لیکن بلا اصرار و مداومت وفساد اعتقاد محض ایک دو جگہ ایسا کرنا (خواہ کسی وجہ سے ہو) مطلقاً مفسد نہیں؛ بلکہ اسی صورت میں مفسد ہے، جب کہ تغیر معنیٰ بھی لازم آجائے، پس اگر تغیر وتبدل معنوی نہ ہوتو نماز دینی وفقہی احکام کی رو سے بنظر فقیہ بلا شک جائز وصحیح ہے، گوایسا شخص دیانۃً وباطناً آثم وعاصی اور فاسق وفاجر ضرور ہے، (اوراس کے دلائل بھی اوپر مذکور ہو چکے ہیں، عنوان ابدال تعمد مع قدرۃ بلا تغیر کے تحت) اور چونکہ نماز میں قرآن کی قرأت وتلاوت بعض وجوہ سے خارج از نماز والی قرأت سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے (مثلاً خارج ازنماز تلاوت فقط سنت ومستحب ہے)، (۱) اور داخل نماز قدر مفروض فرض اور رکن ہے اور ایک آیت کا حفظ کرنا ہر مسلمان مکلّف (عاقل وبالغ) پر فرض عین ہے، (۲) اور پورے قرآن مجید کا حفظ کرنا مجموعی طور پر فرض کفایہ ہے۔ (۳)

اسی طرح سورۂ فاتحہ اور ایک دوسری چھوٹی سورت کا یا اس کے مثل چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت کا حفظ کرنا ہر مسلمان مکلّف پر واجب العین ہے اور مقدار واجب سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح سب مسائل تجوید فقہاء کے نزدیک واجب العمل نہیں؛ تاکہ نماز میں (جو اسلام کا رکن اعظم اور قربت مقصودہ بدنیہ اور عبادت مطلوبہ عامہ مفروض عین ہے، اس میں) فتور وخلل اور حرج وتنگی (جو شرعاً مدفوع ہے) لازم نہ آئے، پس فقہاء کے نزدیک محض **قدر مایجوز به الصلاة** (جس کی رعایت سے قرآنیت وعربیت باقی رہتی ہے اور اس کے ترک سے فساد معنوی ظہور میں آتا ہے) واجب العمل ہے؛ (نہ کہ تمام امور واحکام تجویدیہ) اس لئے داخل نماز والی تلاوت کا بہمہ وجوہ خارج ازنماز والی تلاوت کے متحد ومتفق ہونا ضروری نہیں، پس ابدال تعمد بلا تغیر معنیٰ گو فی نفسہ ناجائز اور موجب اثم ومعصیت ہے؛ لیکن نماز کے لئے مخل وحارج نہیں؛ کیوں کہ وہ مقصود صلوٰۃ (عبادت ومناجات ومکالمہ ربانی) کے منافی نہیں۔

دوسرے یہ کہ فقہا ظاہری ودنیوی احکام پر نظر رکھتے ہیں، نہ کہ اخروی وباطنی امور پر، پس ابدال تعمد بلا تغیر معنیٰ میں غالب ظن یہ ہے کہ اس میں بدعقیدگی نہیں؛ اس لئے ظاہر پر نظر کر کے اس کو مفسد نہیں قرار دیں گے، اس کی نظیر نوم اضطجاع وتورک ہے کہ اس کو مطلقاً ناقص وضو قرار دیا ہے، حالانکہ نقض وضو کی اصل علت استرخاء مفاصل ہو کر خلاف وضو کسی چیز کا صادر ہو جانا ہے، مگر فقہا ظاہری حالت پر نظر کر کے نوم کو مطلقاً ناقض قرار دیتے ہیں، حقیقی سبب پایا جائے،

(۱) كما في الشامية: ينبغي لحافظ القرآن في كل أربعين يومًا أن يختم مرةً (مسائل شتىٰ: ٧٥٧/٦، طبع سعيد، ومثله في الهندية، فصل في التراويح: ١١٧/١، طبع رشيدية كوئٹة)

(۲) فصل في واجبات الصلاة، ومنها قراءة الفاتحة وضم السورة أو ثلاث آيات، الخ. (نور الإيضاح: ٢٤٦، قديمي كتب خانة، كراچی)

(۳) حفظ جميع القرآن ... جميع القرآن من حيث هويسمى فرض كفاية، الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، مطلب في الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية: ٥٣٨/١، طبع سعيد، كراچی)

خواہ نہ پایا جائے،**فلیتأمل**... مگر یہ یاد رکھیں کہ ہر جگہ اور ہمیشہ تعمداً ابدال حرف کرنا بلاشبہ مفسد ہے۔

﴿دوسرا شبہ﴾:

اس سے عمداً اور خطاً دونوں کا مساوی ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ دوسرے احکام شرعیہ میں عمداً اور خطاً میں بڑا فرق ہے، مثلاً: قتل عمد اور قتل خطا۔

﴿جواب﴾:

اولاً یہ کہ ابدال زلت وغیرہ میں بصورت تغیر معنوی وسہولت تمایز باجماع متقدمین ومتاخرین اور بصورت تغیر وتمایز فقط عند المتقدمین نماز فاسد ہے اور بصورت تعمد وتغیر معنوی بہرحال نماز فاسد ہے، عام ہے کہ وہ دونوں حروف سہل التمایز ہوں یا غیر سہل التمایز ہوں، اس میں متقدمین ومتاخرین کا کوئی خلاف نہیں۔(۱)

پس عمد اور خطا میں فرق ہو گیا، ثانیاً یہ کہ نماز میں لحن قرأت کی دونوں صورتوں (خطا اور عمد) کے درمیان اخروی امور (ترتیب اثم ومعصیت اجر وثواب وقبولیت) کے لحاظ سے فرق ہے، پس خطا کی صورت میں قاری معذور ومعیب اور غیر آثم وغیر فاسق ہے اور اس کی نماز باطناً مقبول ومنظور ہے، جب کہ ظاہراً کوئی خرابی اور تبدیلی مفہوم، انقلاب مراد، فساد معنیٰ لازم نہ آ رہا ہو اور عمد کی حالت میں قاری لامحالہ آثم وعاصی اور فاسق وفاجر ومرتکب گناہ ہے۔(۲)

گو تغیر معنوی کے معدوم ہونے کے سبب اس کی نماز پر جواز بمعنی برأت ذمہ کا حکم لگا دیا جائے گا، اس کی نظیریں یہ ہیں کہ صوم اکل وشرب سے اور صلوٰۃ کلام واکل وشرب وسلام وغیرہ سے اور حج جماع سے فاسد ہو جاتا ہے، عام ہے کہ یہ امور عمداً ہوں یا خطا ہوں، اسی طرح قتل عمد وخطا دونوں دنیوی سزا کے بارہ میں شریک ہیں، گو اس میں تفاوت ہے کہ

(۱) کما في الشامية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب مسائل زلة القارى: ۱/ ۶۳۰، ایچ ایم سعید کراچی

(۲) حذيفة بن اليمان رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "اقرؤوا القرآن بلحون العرب وأصواتها و إياكم ولحون أهل العشق، ولحون أهل الكتابين، وسيجئ بعدى أقوام يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والنوح، لايجاوز حناجرهم مفتونة قلوب الذين يعجبهم شأنهم" الحديث. (جامع الأصول، الكتاب الثانى فى تلاوة القرآن وقراء ته، الباب الأول، الفصل الثانى، رقم الحديث ۹۱۳: ۲/ ۲۸۷، دار الكتب العلمية، بيروت) (المعجم الأوسط للطبرانى، من اسمه محمد (ح: ۷۲۲۳)/ شعب الإيمان للبيهقى، فصل فى ترك التعمق فى القرآن (ح: ۲۴۰۶)/ البدع لابن الوضاح (ح: ۲۵۴)/ مختصر قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر، باب الترجيع فى القراءة: ۱/ ۱۳۵، فيصل آباد الباكستان. انيس)

وفى الدر المختار: ومنها القراءة بالألحان إن غير المعنىٰ وإلا لا.

وفى الشامية: أى وإن لم يتغير المعنىٰ فلا فساد. (كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فى المشى فى الصلاة: ۱/ ۶۳۰، ایچ ایم سعید، کراچی)

قتل عمد میں قصاص اور بصورت عفو وصلح دیت ہے اور قتل خطا میں دیت ہے، اسی طرح احرام کے ممنوعات ومحظورات کے ارتکاب سے لزوم جنایات دنیویہ مطلقاً ہوتا ہے، ارتکاب عمداً ہو خواہ خطاً؛ بلکہ اس سے اوپر یہ کہ محرم کے قتل صید کی حالت میں جنایت اصطیاد کا اور مصلی کے کلام فی الصلوٰۃ کی حالت میں فساد صلوٰۃ کا حکم اس صورت میں ہی نافذ ہوتا ہے، جب کہ ان کے لزوم جنایت وحرمت اصطیاد اور فساد صلوٰۃ کا سرے سے علم بھی نہ ہو، پس ان احکام میں گو دنیوی وظاہری امور کے اعتبار سے عمد وخطا مساوی ہیں، مگر اخروی وباطنی امور میں ان کا فرق واختلاف ضرور مسلم ہے کہ عمد کی صورت میں تو لزوم اثم ومعصیت ہوتا ہے، مگر خطا کی صورت میں نہیں۔ واللہ اعلم

﴿تیسرا شبہ﴾:

زلت کے لفظ سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل (تغیر معنیٰ وعدم تغیر معنیٰ کی) ابدال خطا ہی سے متعلق ہے، اس لئے عجز وعمد دونوں ہی کے بارے میں زلت کے لفظ کا استعمال کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

﴿جواب﴾:

اولاً یہ کہ جب کتب فقہ میں تعمد کے احکام اور اس کی جزئیات بھی بطور مستقل وصریح مذکور ہیں تو یہ عنوان کسی طرح بھی ان کے مخالف نہیں، ثانیاً یہ کہ زلت مطلق خطیۂ (غلطی اور گناہ) کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔

﴿چوتھا شبہ﴾:

شامی میں خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے قاضی ابوعاصم کا قول اس طرح مذکور ہے:

"**إن تعمد ذٰلک تفسد وإن جریٰ علیٰ لسانه أو لایعرف التمییز لاتفسد**".(۴۶۸/۱)

اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ تعمد بہر حال مفسد ہے اور عجز بہر حال غیر مفسد ہے۔

﴿جواب﴾:

شامی میں اور اسی طرح بعض دوسری کتب فتاویٰ میں یہ قول فقہاءِ متاخرین کے قاعدہ کلیہ عدم عسر اور عسر تمایز کے بعد مذکور ہے، اسی طرح بعض فتاویٰ میں اس قول کے ساتھ بعض دوسرے متاخرین کے اقوال بھی مرقوم ہیں اور فقہاء متاخرین کا قاعدہ کلیہ تغیر معنیٰ کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"**وإن غیر المعنیٰ فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة**".(۱)

خانیہ میں ہے:

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس فی زلة القاری: ۷۹/۱، رشیدیة کوئٹة

(۲) الفتاویٰ الخانیة، کتاب الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأً: ۱۴۱/۱، طبع رشیدیة کوئٹة

”وإن ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنیٰ “إلخ.(۲)

خزانۃ المفتیین میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے مذکور ہے:

”وإن ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنیٰ“الخ.(۱)

پس حاصل یہ ہوا کہ ابدال حرف بحرف آخر میں صحت وفساد صلاۃ کے لئے اکثر متاخرین تو تغیر معنیٰ کے ساتھ سہولت وعسر تمایز کا اور بعض حضرات (قاضی ابوالحسنؒ اور قاضی ابو عاصمؒ) جریان عدم تمیز وتعمد کا اور بعض حضرات (ابن مقاتل) قرب اتحاد وتخالف مخارج کا اعتبار کرتے ہیں اور بعض حضرات (امام صفارؒ) ابدال حروف کو مطلقاً غیر مفسد کہتے ہیں، پس قول ابی عاصم کو مستقل قول قرار دیں خواہ ماقبل کی تفسیر، بہر حال وہ تغیر معنیٰ کے ساتھ مقید ہے۔

رہا ”تعمد بلا تغیر واصرار“ سو وہ بسبب حقیقی علت فساد (تغیر معنیٰ) کے نہ پائے جانے کے مفسد نہیں، اس قول کے مقید ہونے کے قرائن وشواہد:

(۱) فتاویٰ سعدیہ میں ہے:

بالجملہ فتویٰ درحد تبدیل حروف مشکلہ، متغیر المعنیٰ، بحالت غیر تعمد میان متقدمین ومتاخرین مختلف است، پس معلوم ہوا کہ حروف مشکلہ متغیر المعنیٰ بحالت غیر تعمد میں اختلاف نہیں۔

(۲) امداد الفتاویٰ:۱/۱۵۳(۲) پر ہے:

فی الدر المختار: قال فی الخلاصة: الأصل فیما إذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنیٰ (إلیٰ قوله) قال القاضی أبو عاصم: إن تعمد ذلک تفسد وإن جریٰ علیٰ لسانه أو لایعرف التمییز لاتفسد وهو المختار. (حلیة) وفی البزازیة: وهو أعدل الأقاویل، وهو المختار. (شامی: ۱/۴٦۸)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ تغیر معنیٰ کی تقدیر پر تعمد موجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں منعقد نہیں ہے، پس جو لوگ بوجہ مشق وریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز نہیں کر سکتے، ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

(۲) الطحطاوی بحث خطأ فی الإعراب میں ہے:

”أجمع المتأخرون کمحمد وابن مقاتل وغیرهما علیٰ أن الخطأ فی الإعراب لایفسد وإن کان مما اعتقاده کفر (إلیٰ قوله) وفی النوازل: لا تفسد فی الکل وبه یفتیٰ. وینبغی أن یکون هٰذا فیما إذا

(۱) خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری: ۱/۱۰٦، رشیدیة کوئٹة

(۲) إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، فصل فی التجوید: ۱/۱۹۰، طبع دار العلوم کراچی

(۳) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مسائل زلة القاری، مطلب إذا قرأ قوله ”تعالیٰ جدک“ بدون ألف لا تفسد: ۱/٦۳۳، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

(۴) الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۳۳۹، دار الکتب العلمیة، بیروت

كان خطأً أو غلطًا وهو لايعلم إن تعمد ذلك مع ما لايغير المعنٰى كثيرًا، الخ. (ص: ١٨٦)(۴)

«پانچواں شبہ»:

اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی (عدم تغیر معنیٰ کی صورت میں) نماز نہیں ٹوٹتی تو بعض غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے کہ چونکہ فقہا نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز قرار نہیں دیا، اس لئے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ درست ہے؟

«جواب»:

اولاً: تو غیر مقلدین ضاد وظاء کی صحیح ادا پر قدرت ہی نہیں رکھتے کہ ان پر ابدال تعمد مع القدرۃ صادق آسکے، پس ان کا ابدال الضاد بالظاء ابدال عدم تمیز کے قبیل سے ہے، جو بر قول متاخرین بوجہ عموم بلویٰ کے مفسد نہیں۔(۱) (اور احقر کی رائے میں غیر مقلدین کے اس ابدال کو ابدال بدتمیزی سے تعبیر کرنا نہایت موزوں ہے۔)

ثانیاً: اگر ان میں سے بعض لوگ صحیح ادا پر قادر بھی ہوں اور پھر بھی ابدال حرف کرتے ہوں تو ان کی نماز بلاشبہ فاسد ہے؛ کیوں کہ ابدال ضاد وظاء کی اکثر جزئیات میں تغیر معنیٰ پایا جاتا ہے،(۲) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پس ابدال تعمد مع تغیر المعنیٰ والاصرار بیشک موجب فساد صلوٰۃ ہے، اس پر قدما ومتاخرین کا اجماع ہے۔

غیر مقلدین کے قول کا ابطال:

اولاً: بصورت تعمد مع القدرۃ فساد صلوٰۃ میں کوئی کلام نہیں۔

ثانیاً: بصورتِ تعمد بلا تغیر جواز صلوٰۃ بمعنیٰ صحت صلوٰۃ جواز بمعنیٰ رفع اثم صحت تلفظ کو مستلزم نہیں، پس ضاد کی جگہ ظاء یا ظاء کی جگہ ضاد پڑھنا بلاشبہ تحریف ولحن ہے، جو موجب معصیت اخرویہ ضرور ہے، گو برأت ذمہ دنیویہ کے لئے حارج نہیں۔

---

(۱) في الدر المختار: إلا مايشق تمييزه كالضاد والظاء فأكثرهم لم يفسدها.

وفي ردالمحتار: وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين فأكثرهم علٰى عدم الفساد لعموم البلوىٰ. (كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب مسائل زلة القاري: ٦٣٣/١، ايچ ايم سعيد)

(۲) في حاشية الطحطاوي: محل الاختلاف في الخطأ والنسيان أما في العمد فتفسد به مطلقًا بالاتفاق أي سواء إذا كان ثناء فلا يفسد ولو تعمد ذلك أفاده أمير حاج. (ص: ٣٣٩، طبع قديمي كتب خانة، كراچي)

كما في الهندية: وفي خزانة الأكمل: قال القاضي أبو عاصم إن تعمد ذلك تفسد وإن جرىٰ علٰى لسانه ولا يعرف التمييز لاتفسد وهو المختار (حليه) وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار. (كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب في زلة القاري: ٧٤/١، رشيدية كوئٹة)

ثالثاً: یہ کہ بر قول متقدمین حنفیہ تبدیلی ضاد وظاء کی اکثر صورتیں بسبب تغیر معنیٰ مفسد صلوٰۃ ہیں، پس اکثر کے اعتبار سے یہ کل پر فساد ہی کا حکم لگایا جائے گا، (اور وہ جزئیات وصور اس سے پہلے بحوالہ قاضی خان گزر چکی ہیں) اور متاخرین کے قول کی رو سے حروف مشکلہ متغیر المعنیٰ میں عدم فساد کا حکم عموم بلویٰ کی ضرورت ومجبوری اور رفع حرج کی رخصت کی بنا پر ہے، نہ کہ بطور عزیمت کے، پس بقاعدۃ "الضروری یقدر بقدر الضرورۃ"، (۱) اس سے حکم کو صورت مجبوری وعذر وعدم تمیز اور بلا تعمد پر ہی محصور کیا جاوے گا اور صورت تعمد واصرار واتباع اہواء وحالت نزاع وجدال ومخاصمہ کی طرف متعدی نہ کیا جائے گا، چنانچہ امداد الفتاویٰ: ۱/۱۲۲، فصل تجوید میں ہے:

دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد صلاۃ عند الاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں؛ بلکہ اس وقت ہے جب کہ بلا عمد ہو؛ ورنہ وہ بھی (بر تقدیر تغیر معنیٰ) مفسد صلوٰۃ ہے؛ ورنہ "ظبحا، المغظوب، هظيم، فتر ظى" اور "فرظ" میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا؛ چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل بلا مشقت کو ٹھہرانا اس کی دلیل ہے؛ کیونکہ عمداً وہی پڑھے گا، جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا، پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرے؛ مگر ظاء نکل گیا، اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ رد کرتی ہیں۔ فافهم

﴿تنبیہ﴾:

"یعملون" کی جگہ "یفعلون" پڑھنا ابدال کلمۃ بکلمۃ کے قبیل سے ہے، نہ کہ ابدال حرف بحرف کے قبیل سے اور وہ ابدال زلت وخطا اور اس کے ملحقات (سہو ونسیان شک وتردد، تعمد بلا اعتقاد واصرار) کی صورتوں میں مفسد نہیں اور مزید تفصیل یہ ہے کہ!

(۱) اگر وہ دونوں کلمات معنیٰ میں قریب قریب ہوں (عام ہے کہ مبدل منہ قرآن میں ہو، یا نہ ہو) مثلاً: "عَلِيْمٌ" کی جگہ "حَكِيْمٌ"، "بَصِيْرٌ" کی جگہ "خَبِيْرٌ"، "حَكِيْمٌ" کی جگہ "سَمِيْعٌ"، "أَوَّاهٌ" کی جگہ "إِيَّاهٌ"، "أَوَّابٌ" کی جگہ "إِيَّابٌ"، "قَوَّامِيْنَ" کی جگہ "قَيَّامِيْنَ"، "جَعَلْنَا" کی جگہ "خَلَقْنَا"، "بَيْنَهُمْ" کی جگہ "بَيْنَيْهُمْ"، "مُتَبَّرٌ" کی جگہ "مُدَبَّرٌ"، "وَأُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" کی جگہ "مِنْ كُلِّ نَفْسٍ"، "فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ" کی جگہ "فَمَنْ يُّرِدْ"، "ضَرَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ" کی جگہ "كَذَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ"، "فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ" کی جگہ "فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ"، "وَمَا

---

(۱) القاعدة الثانية: "ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها". (الأشباه والنظائر لابن نجيم: ۷۳، دار الكتب العلمية بيروت/ الأشباه والنظائر للسيوطي: ۸٤، دار الكتب العلمية. انيس)

(۲) في الدر المختار: ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفاً أو قدمه أو بدله بآخر نحو من ثمره إذا أثمر، انفرجت بدل انفجرت إياب بدل أواب لم تفسد ما لم يتغير المعنىٰ. (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/٦۳۲۔ ٦۳۳، مكتبة ايچ ايم سعيد، كراچی)

یَأْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ" کی جگہ "وَمَا یَأْتِیْهِمْ مِّنْ رِّزْقٍ"وغیرہ وغیرہ تواس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔(۲)

کیونکہ یہ تغیر وتبدل فاحش کو مستلزم نہیں، نیز قرآن کے مشابہ ہے اور قرآن کے مشابہ الفاظ کی تلاوت سے فساد صلوٰۃ لازم نہیں آتا، البتہ اس کی عادت بنالینا ضرور مذموم اور مفسد صلوٰۃ ہے؛ بلکہ اصرار و مداومت میں کفر کے لازم آنے کا خوف ہے۔

(۲)　اور اگر وہ دونوں کلمات قریب قریب نہ ہوں، گو کلمہ مبدل عنہا قرآن میں موجود ہی ہو، مثلاً نَضِجَتْ کی جگہ سُطِحَتْ، رُفِعَتْ کی جگہ خُلِقَتْ، لَمِنَ السّٰجِدِیْنَ کی جگہ لَمِنَ السّٰحِرِیْنَ، فَسَتُرْضِعُ کی جگہ فَسَتُعْرِضُ، حَتّٰی اِذَا فُزِعَ کی جگہ فُرِغَ، یا کلمہ مبدل لہ کی مثل قرآن میں نہ ہو، نیز اس کے اعتقاد سے کفر لازم نہ آتا ہو؛ مثلاً: الغراب کی جگہ الغبار، وَمَا آتَیْنٰهُمْ کی جگہ وَمَا أَهْلَكْنٰهُمْ، قَسْوَرَةٌ کی جگہ قَوْسَرَة یا قَصْوَرَة، کَعَصْفٍ مَّأْکُوْلٍ کی جگہ کَعَفْصٍ، عیسیٰ بن سارة، مریم بنت غیلان، یا کلمہ مبدل لہ عنہا قرآن میں موجود ہو، مگر اس کا اعتقاد موجب کفر ہو؛ مثلاً: فَاعِلِیْنَ کی جگہ غَافِلِیْنَ، عیسٰی ابن مریم کی جگہ لقمٰن، الشیطٰن کی جگہ الرحمٰن یا اس کا الٹ ابلیس کی جگہ ادریس یا اس کا برعکس فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ کی جگہ عَلَی الْمُوَحِّدِیْنَ، ان تینوں صورتوں میں عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔(غنية المستملی)(۱)

(۶)　**إبدال بالقصد مع عدم التميز:** غیر عارف تجوید وغیر مشاق کا ابدال حرف کرنا (خواہ اس کا سبب کوئی ہی ہو) متاخرین کے ہاں عموم بلویٰ اور شیوع ابتلا کے سبب مطلقاً مفسد صلوٰۃ نہیں؛ تاکہ براءۃ ذمہ میں فتور وخلل اور حرج وتنگی لازم نہ آئے، جو شرعاً مرفوع ومدفوع ہے، مگر اخروی اثم ومعصیت بسبب تکاسل وتغافل کے ضرور لازم آئے گا، چنانچہ امداد الفتاویٰ: ۱/۱۵۱، باب القراءۃ میں ہے:

"پس مجموعہ روایات بالا واشعار ہذا سے معلوم ہوا کہ جواز بمعنٰی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنیٰ رفع اثم، دونوں متلازم نہیں، نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مسلتزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

﴿عموم بلویٰ کے دلائل﴾:

(۱)　شامی میں ہے:

وفي التتارخانية عن الحاوي: حكي عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل في الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس؛ لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة، اهـ.

وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان

(۱)　غنية المتملی شرح منية المصلی، تنبيه من قبيل زلة القارى: ۴۹۰، مطبع سنده. انيس

الضاد أو الزاء المحض مكان الذال أو الظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ.

قلت: فينبغي علٰى هذا عدم الفساد فى إبدال الثاء سينًا و القاف همزةً كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لايميزون بينهما ويصعب عليهم جدًا كالذال مع الزاء، ولا سيما علٰى قول القاضى أبى عاصم وقول الصفار، إلخ. (٤٦٨/١)(١)

(۲) خزانۃ الروایات میں ہے:

"لو قرأ (المغظوب) بالظاء (ولا الظالين) بالظاء أو بالظاء قال بعضهم: لا تفسد لأنه بلوىٰ عام فإن العوام لايميزون ولايعرفون مخارج الحرف منهم أبو القاسم محمد بن سلمة وكثير من المشائخ أفتوا به، بعضهم قالوا: إن تغير المعنى تفسده صلاته منهم أبو مطيع وعبدالله الجرجانى وقال القاضى الإمام أبوعاصم: إن تعمد ذلك تفسد (أى علٰى تقدير التغير المعنوى) وإن جرىٰ علٰى لسانه (أى أحيانًا من غير قصد وإرادة) أو لايعرف التمييز (أى بسبب عدم الرياضة والمحنة) لا تفسد وهذا أعدل الأقاويل وهو المختار ... وهكذا فى كثير من المعتبرات". (٢)

(۳) صلوٰۃ مسعودی میں ہے:

"اور الضالین ضاد است، اگر ذال گوید (زلۃ وخطاء) اختلاف مشائخ است، خواجہ محمد بن مسلم بلخیؒ گفتہ است روابود، وشیخ الاسلام برہان الدین گفتہ است کہ فتویٰ خواجہ امام شہید کہ روابود خواجہ امام علی بندوانی گفتہ است کہ روابود۔

(۴) حلبی غنیۃ المستملی میں کہتے ہیں:

"وروى عن محمد بن سلمة أنها لاتفسد؛ لأن العجم لايميزون بين هذه الحروف وكان القاضى الإمام الشهيد المحسن يقول: الأحسن فيه؛ أى فى الجواب فى هذا الإبدال المذكور أن يقول المفتى إن جرىٰ ذلك علٰى لسانه أو لم يكن مميزًا بين بعض هذه الحروف وبعض وكان أى الكلمة علٰى وجهها لا تفسد صلاته وكذا أى مثل ما ذكر الحسن روى عن محمد بن الشيخ الإمام إسماعيل الزاهد وهذا معنٰى ما ذكر فى فتاوىٰ الحجة أنه يفتى فى حق الفقهاء بإعادة الصلاة وفى حق العوام بالجواز، كقول محمد بن سملة اختيارًا للاحتياط فى موضعه

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله"تعالٰى جدك"بدون ألف لا تفسد: ٢/ ٤٧٧ـ٤٧٨، رشيدية جديد، كوئٹة

(٢) خزانة الروايات، ٨٦ـ٧٧، باب مايفسد الصلاة، فصل فى الأفعال، مخطوطة شبكة الألوكة، انيس

(٣) الشرح الكبير للحلبى: ٤٧٨/١، فصل فى أحكام زلة القارى، طبع سعيدى كتب خانة، كوئٹة

والرخصة فی موضعها".(۳)

(۵)　جواہر الاخلاطی میں مسطور ہے:

"إذا قرأ مكان الضاد ظاءً لو كان فقيهًا يفتىٰ باعادة الصلاة ولو كان عاميًا يفتىٰ بالجواز اختيارًا للاحتياط فی موضعه والرخصة فی موضعها".

(۶)　بزازیہ میں ہے:

"قال(غير المغضوب)أو(الضالين)بالذال أو الظاء قيل لا تفسد لعموم البلوىٰ فإن العوام لا يعرفون مخارج الحروف،وكثير من المشائخ أفتوا به —هٰكذا نقله الطحطاوى".(۱)

(۷)　فتاویٰ سعدیہ میں ہے:

"بالجملہ فتوی در تبدیل حروف مشکلہ متغیر المعنیٰ بحالت غیر تعمد میان متقدمین ومتأخرین مختلف است ودر عالمگیری از ظہیریہ منقول است:

حكى عن أبى القاسم الصفار أن الصلاة إذا جازت من وجه وفسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطاً إلا فى باب القراءة؛لأن للناس فيها عموم البلوىٰ.(۲)

......پس بناء علی ہذا اگر عمداً حروف ذال وظاء وزاء بجائے ضاد ادا می نمایند نماز شان فی نفسہ ونماز غیر پس ایشان فاسد است واگر امتیاز ندارند یا احیاناً بر زبان شان جاری می شود یا بحسب زعم خود ضاد ادا می نمایند وسعی می کنند در ادایش از مخرجش باصفات درین حالت نماز شان درسابق وحال ونماز امثال شان پس ایشان جائز است"۔

(۸)　کشف الغطاء میں فتاویٰ غیاثیہ کے حوالہ سے مذکور ہے:

"إن قرأ(اللّٰه السمد)مكان(اللّٰه الصمد)أو(السيف)مكان(الصيف)أو(السالحين)مكان(الصالحين)أو قرأ(غير المغضوب)بالظاء أو(الضالين)بالظاء أو بالذال قال بعضهم لاتفسد؛لأنه بلوىٰ عامًا فإن العوام لايميزون ولا يعرفون مخارج الحروف،منهم أبو القاسم ومحمد بن سلمة وكثير من المشايخ أفتوا به". (هكذا فى زلة القارى من مجموع الفتاوىٰ)

(۹)　اس حرف (ض) کو غلط بظن صواب وبقصد صواب پڑھیں،جیسا ابتلاء عام ہے،چونکہ عموم بلویٰ موجبات تیسیر وتخفیف سے ہے؛اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے،یہ دوسری بات ہے کہ صحیح

---

(۱)　الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الثانى عشر فى زلة القارى: ٤/ ٤٢،دار الفكر بيروت،انيس

(۲)　فى الفتاویٰ الهندية،فصل أحكام زلة القارى: ١/ ٨٢،قبيل الباب الخامس فى الإمامة طبع:مكتبة علوم اسلاميه چمن،پاكستان

سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔(امداد الفتاویٰ:۱۸۰/۱،فصل التجوید)

(۱۰) غرض تقدیر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا،خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو،اس کی نماز ہو جائے گی؛لیکن صحیح معنوں میں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو، وہ احق بالامامۃ ہے۔(امداد الفتاویٰ:۱۵۲/۱۔۱۵۳)

هذا ما عندی و العلم عند الهادی. و اللّٰه يقول الحق وهويهدی السبيل.

و أنا العبد العاثر: محمد طاهر الرحيمی عفی اللّٰه عنه

خادم التجويد و القرأت مدرسه قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح: محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔(فتاویٰ مفتی محمود:۸۹۹/۲۔۹۱۸)

☆ ☆ ☆